بانی ومہتمم :مفتی محمد رضا قادری نقشبندی مصباحی خلیفہ حضور شیخ العالم وسربراہ اعلیٰ علما کونسل نیپال بفیض روحانی : مجمع الفضائل والبرکات،مظہر کمالات امام ربانی حضور شیخ العالم مولانا شاہ احمد رضا نقشبندی دامت برکاتہم العالیہ قیادت :قائد ملت نیپال حضرت مولاناالحاج سید غلام حسین مظہری مرکزی صدر علما کونسل نیپال

Reg.No: 5310 -2082/2083

ہفت روزہ نیپال اردو ٹائمز

Weekly
The NEPAL URDU TIMES

جلد نمبر ۲
VOL:(2)

چیف ایڈیٹر: عبدالجبار علیمی نظامی
weeklynepalurdutimes@gamil.com

12 صفحات

06/اگست 2026، 21/صفر المظفر 1448ھ، 21گتے ساون 2083 بکرم

شمارہ نمبر ۱۰۱
ISSUE: 101

میں ہندو ریاست اور بادشاہت کے حق میں نہیں: وزیر اعظم بالین شاہ

احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز

کاٹھمانڈو وزیر اعظم بالیندر شاہ (بالین شاہ) نے واضح اور دوٹوک موقف اختیار کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ ملک میں ہندو ریاست (ہندو راشٹر) اور بادشاہت (راج شاہی) کی بحالی کے حق میں نہیں ہیں۔ انہوں نے خبر دار کیا ہے کہ ایسا کوئی بھی قدم نیپال کے موجودہ وفاقی سیاسی نظام کو نقصان پہنچائے گا۔ انہوں نے کہا کہ وہ وفاقی نظام کے حامی ہیں اور ملک کو اسی راستے پر آگے بڑھتا دیکھنا چاہتے ہیں۔ جمعے کے روز وزیر اعظم بالن شاہ نے مدھیش کی نمائندگی کرنے والی مختلف سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں سے سنگھ دربار میں ملاقات کی۔ ملاقات میں ملک کی موجودہ سیاسی صورتحال اور وفاقی نظام کے مستقبل پر تفصیلی گفتگو ہوئی۔ ملاقات میں اپنے سیاسی مؤقف کی وضاحت کرتے ہوئے وزیر اعظم نے کہا کہ وہ ہندو ریاست اور شاہی نظام کے حق میں نہیں ہیں۔ "راشٹریہ مکتی پارٹی نیپال" کے صدر راجیندر مہتو نے ملاقات کے بعد میڈیا کو بتایا: وزیر اعظم نے ہمیں یقین دلایا ہے کہ حکومت وفاقی نظام کے استحکام اور قومی یکجہتی کے فروغ کے لیے پر عزم ہے۔ راجیندر مہتو کے مطابق وزیر اعظم نے یہ بھی کہا کہ وفاقیت کے حوالے سے جو تحفظات سامنے آ رہے ہیں، حکومت ان کو دور کرنے کے لیے سنجیدہ ہے۔ وزیر اعظم نے رہنماؤں کو بتایا کہ "شاہی نظام وفاقی ڈھانچے کے مطابق نہیں ہے۔ اس لیے حکومت وفاقی نظام کو ہی مضبوط بنانے کے لیے اپنی کوششیں جاری رکھے گی۔ انہوں نے کہا کہ ملک نے طویل جدوجہد کے بعد وفاقیت کو اپنایا ہے اور اب اسی نظام کے تحت تمام صوبوں اور برادریوں کو ساتھ لے کر چلنا ہے۔ حالیہ دنوں میں ملک کے مختلف حصوں میں ہندو ریاست اور بادشاہت کی بحالی کے حق میں آوازیں اٹھ رہی تھیں۔ اسی تناظر میں وزیر اعظم کا یہ بیان سامنے آیا ہے۔

کسی ایک مذہب کے اداروں کی جانچ نہیں ہوگی، سب کے لیے ایک ہی قانون ہے: وزیر داخلہ

احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز: کاٹھمانڈو وزیر داخلہ "سودن گورونگ" نے واضح کیا ہے کہ حکومت کسی ایک مذہب یا برادری کے مذہبی اداروں کو نشانہ نہیں بنائے گی۔ انہوں نے کہا کہ مدارس، مساجد، مٹھ، مندروں اور گرجاگھروں سمیت تمام مذہبی اداروں کے لیے ملک کا قانون یکساں ہے۔ ترائی کے مختلف اضلاع کے چار روزہ دورے کے بعد وزیر داخلہ سودن گورونگ منگل کو دارالحکومت کٹھمنڈو واپس پہنچے۔ اس دوران انہوں نے "سنسری، سرہا اور دھنوشہ" سمیت متاثرہ علاقوں کا دورہ کیا۔ دورے کے دوران وزیر داخلہ نے حالات کا جائزہ لیا اور ہندو و مسلم دونوں برادریوں کے نمائندوں، مندروں اور مساجد کے منتظمین اور متاثرہ خاندانوں سے ملاقاتیں کیں۔ انہوں نے لوگوں کے مسائل، خدشات اور مطالبات کو تفصیل سے سنا۔ دورے کے دوران ایک صحافی کے سوال پر کہ کیا مدارس اور مساجد کی جانچ کی جائے گی، وزیر داخلہ نے دوٹوک جواب دیا: صرف ایک ہی مذہب یا برادری کے اداروں کو نشانہ نہیں بنایا جا سکتا۔ مدارس، مساجد، مٹھ، مندروں اور گرجاگھروں سمیت تمام مذہبی اداروں کے لیے قانون یکساں ہے۔ کسی کے ساتھ امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا۔ وزیر داخلہ نے کہا کہ مختلف مذہبی اداروں کو اندرون ملک اور بیرون ملک سے مالی معاونت حاصل ہوتی ہے۔ اس لیے اگر کسی معاملے کی تحقیقات کی ضرورت پیش آتی ہے تو تمام اداروں کو ایک ہی معیار کے مطابق دیکھا جائے گا۔ قانون سب پر یکساں طور پر نافذ ہوگا۔ تفتیش کا معیار مذہب کی بنیاد پر نہیں، بلکہ شکایت اور شواہد کی بنیاد پر ہوگا۔ اپنے دورے کے اختتام پر وزیر داخلہ نے عزم ظاہر کیا کہ حکومت ملک میں امن، سماجی ہم آہنگی اور باہمی احترام کی فضا کو برقرار رکھنے کے لیے تمام ضروری اقدامات کرے گی۔

وزیر داخلہ اور ہندو سمراٹ سینا کے درمیان کوئی معاہدہ نہیں ہوا: حکومتی ترجمان

احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
کاٹھمانڈو

نیپال حکومت نے اس تاثر کو سختی سے مسترد کر دیا ہے کہ وزیر داخلہ سودن گرونگ اور ہندو سمراٹ سینا کے درمیان کسی معاملے پر باضابطہ معاہدہ طے پایا ہے۔ حکومت کا کہنا ہے کہ حالیہ ملاقاتوں کا مقصد صرف مختلف فریقوں کے مؤقف کو سننا اور مسائل کے حل کے لیے بات چیت کا راستہ ہموار کرنا تھا۔ حکومت کے ترجمان اور وزیر تعلیم و کھیل کود "سسمت پوکھریل" نے منگل کو ذرائع ابلاغ سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ وزیر داخلہ نے مشرقی ترائی کے مختلف اضلاع کا دورہ کیا۔ اس دوران انہوں نے مختلف طبقات کے نمائندوں اور حالیہ واقعات سے متاثر ہونے والے افراد سے ملاقاتیں کیں۔ ان کے مطابق انہی ملاقاتوں میں ہندو سمراٹ سینا کے نمائندوں سے بھی تبادلۂ خیال ہوا۔ لیکن یہ ملاقاتیں "محض صورتحال کا جائزہ لینے اور مختلف فریقوں کے مطالبات و خدشات کو سمجھنے کے لیے" تھیں۔ وزیر تعلیم نے واضح الفاظ میں کہا: وزیر داخلہ نے مختلف متعلقہ فریقوں سے ملاقات اور گفتگو کی ہے۔ موجودہ صورت حال کے تناظر میں مختلف معاملات پر بات چیت کی جا سکتی ہے، لیکن کسی ایک معاملے کے حوالے سے کوئی مثبت یا منفی معاہدہ نہیں کیا گیا ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ حکومت نے کسی خاص معاملے کے حق یا مخالفت میں کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے۔ سسمت پوکھریل نے کہا کہ احتجاج کرنے والے گروہوں کے مطالبات، امن و امان کی صورتحال اور دیگر مسائل کے حل کے لیے بات چیت کا سلسلہ جاری رکھا جائے گا۔ حالیہ واقعات کی تحقیقات کے لیے تشکیل دی گئی کمیٹی کی رپورٹ کی روشنی میں آئندہ کی حکمت عملی طے کی جائے گی۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ اگر ضرورت پڑی تو وزیر داخلہ خود اپنے دورے اور ملاقاتوں کی تفصیلات عوام کے سامنے رکھیں گے۔ یہ وضاحت ایسے وقت میں سامنے آئی ہے جب ترائی اور مدھیش کے مختلف علاقوں میں پیش آنے والے واقعات کے بعد سیاسی اور سماجی حلقوں میں بے چینی پائی جا رہی ہے۔ مختلف فریق حکومت سے واضح اور مؤثر اقدامات کا مطالبہ کر رہے تھے۔

سیاسی فائدے کے لیے عوام کو آپس میں لڑانا بند کیا جائے: رکن پارلیمنٹ سمینہ میا

احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
کاٹھمانڈو

راشٹریہ سوتنتر پارٹی کی رکن پارلیمنٹ "سمینہ میا" نے وفاقی پارلیمنٹ میں خطاب کرتے ہوئے کہا کہ سیاسی فائدے کے لیے عوام کو آپس میں لڑانا بند کیا جائے۔ انہوں نے ملک میں بڑھتی فرقہ وارانہ کشیدگی پر شدید تشویش ظاہر کرتے ہوئے تمام سیاسی جماعتوں سے ذمہ داری کا مظاہرہ کرنے کی اپیل کی۔ سمینہ میا نے کہا کہ گزشتہ چند ہفتوں سے ملک کے مدھیش، ترائی اور پہاڑی اضلاع میں فرقہ وارانہ نفرت اور تشدد کے واقعات میں اضافہ ہوا ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ سیاستدانوں کا غیر ذمہ دارانہ بیان ہے۔ انہوں نے کہا: سیاست کا مطلب عوام کی خدمت ہے، عوام کو بانٹنا نہیں۔ جو لوگ ووٹ کے لیے سماج میں زہر گھول رہے ہیں وہ ملک کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔ سمینہ میا کے ۴ اہم مطالبات: ۱: مذہب، ذات اور علاقے کے نام پر سیاست بند ہو۔ یہ سب سے بڑی غداری ہے۔ ایسے لوگوں کے خلاف سخت قانون بنے۔ ۲: سوشل میڈیا پر افواہیں اور نفرت پھیلانے والوں کو فوراً گرفتار کیا جائے۔ ۳: حکومت خاموش تماشائی نہ بنے۔ صدر، وزیر اعظم اور تمام پارٹیوں کے سربراہ ۴۸ گھنٹے کے اندر ایک میز پر بیٹھیں۔ ملک کو اس وقت اتحاد کی ضرورت ہے۔ ۴: احتجاج اور بند سے مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ ہم ایوان میں عوام کے مسائل حل کرنے آتے ہیں۔ انہوں نے کہا، ایوان بند رہا تو جمہوریت خطرے میں پڑ جائے گی۔ آج جو نفرت کا بیج بوئیں گے کل اسی کی فصل کاٹنی پڑے گی۔ سیاست بچاؤ، ملک بچاؤ

ثقافت بچے گی تو شناخت رہے گی: رہبر انصاری

احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
کاٹھمانڈو

قومی اسمبلی کے نوجوان رکن پارلیمنٹ "رہبر انصاری" نے پارلیمنٹ میں کہا کہ نیپال کی کثیر ثقافتی شناخت ہی اس کی سب سے بڑی طاقت ہے۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ ترائی میں بڑھتی کشیدگی کے پیش نظر حکومت سماجی ہم آہنگی کے تحفظ کو اولین ترجیح دے۔ اظہار خیال کرتے ہوئے رہبر انصاری نے کہا کہ ترائی صدیوں سے مختلف مذاہب اور زبانوں کے لوگوں کے ساتھ رہنے کی مثال رہا ہے۔ انہوں نے کہا: ہمارے گاؤں میں عید پر ہندو بھائی مٹھائی لاتے ہیں اور دشین پر مسلمان مبارکباد دینے جاتے ہیں۔ یہی اصل نیپال ہے۔ اسے نفرت کی آگ میں نہ جلائیں۔ رہبر انصاری کے ۴ اہم مطالبات: ۱: میتھلی، بھوجپوری، اودھی اور پہاڑی ثقافتوں کو برابر کا احترام ملے۔ اگر ثقافت بچ گئی تو قومی شناخت بھی بچ جائے گی۔ ۲: جو لوگ ووٹ کے لیے سماج کو تقسیم کر رہے ہیں وہ ملک کے دشمن ہیں۔ حکومت ان کے خلاف سخت قانون نافذ کرے۔ ۳: اسکول اور کالجوں میں مشترکہ ورثے، رواداری اور بھائی چارے کو نصاب کا حصہ بنایا جائے۔ نوجوانوں کو نفرت کے بجائے محبت سکھائی جائے۔ تشدد میں جس کا بھی نقصان ہوا، اسے بلا تفریق مذہب و ذات فوری ریلیف اور معاوضہ دیا جائے۔ مجرموں کو جلد کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔
رہبر انصاری نے بیرگنج، جنک پور اور ویراٹ نگر کے واقعات کو "نیپال کی تاریخ کا سیاہ باب" قرار دیا۔
۲۰۰۷ میں ہم نے مل کر جمہوریت بچائی تھی۔ آج بھی مل کر امن بچانا ہوگا۔ ورنہ آنے والی نسلیں ہمیں معاف نہیں کریں گی۔ اگر ایک پھول مرجھا گیا تو پوری مالا بکھر جائے گی۔ آج نیپال کو اسی مالا کی طرح جڑے رہنے کی ضرورت ہے۔

وزیر داخلہ سودن گرونگ کی سنگھا دربار میں مسلم کمیونٹی کے رہنماؤں سے ملاقات

احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
کاٹھمانڈو

وزیر داخلہ "سودن گرونگ" نے سنگھا دربار میں مسلم کمیونٹی کے مختلف مکاتب فکر کے رہنماؤں سے ملاقات کی۔ ملاقات میں ملک میں مذہبی ہم آہنگی، امن و امان اور ترائی میں حالیہ کشیدگی کے بعد صورتحال پر تفصیلی گفتگو ہوئی۔ وزیر داخلہ نے کہا کہ نیپال ایک سیکولر اور کثیر المذہب ملک ہے اور حکومت ہر شہری کی جان، مال اور عبادت گاہوں کے تحفظ کو اپنی اولین ذمہ داری سمجھتی ہے۔ انہوں نے کہا: ہم سب نیپالی ہیں۔ ہماری شناخت مذہب سے نہیں، شہریت سے ہے۔ حکومت کسی کو بھی نفرت اور تشدد پھیلانے کی اجازت نہیں دے گی۔ ترائی کے حساس اضلاع اور مساجد کے اطراف سیکیورٹی بڑھا دی گئی ہے۔ پولیس کو ۲۴ گھنٹے گشت اور فوری رد عمل کی ہدایت دی گئی ہے۔ سوشل میڈیا اور زمینی سطح پر نفرت پھیلانے والے ۱۵۰ سے زائد افراد کی نشاندہی ہو چکی ہے۔ ان کے خلاف سخت قانونی کارروائی کی جائے گی۔ تمام مساجد، مندروں اور گرجاگھروں کی حفاظت کے لیے مقامی کمیٹیوں کے ساتھ رابطہ کیا جا رہا ہے۔ کسی بھی حملے کو برداشت نہیں کیا جائے گا۔ تشدد میں متاثرہ مسلم خاندانوں کو فوری ریلیف فراہم کیا جائے گا۔ نقصانات کا جائزہ لے کر معاوضہ دیا جائے گا اور ذمہ داروں کو گرفتار کیا جائے گا۔ ملاقات میں شریک مسلم کمیونٹی کے رہنماؤں نے حکومت کی یقین دہانی کو سراہا اور کہا کہ وہ بھی امن کے لیے اپنا کردار ادا کریں گے۔ جمعیت علماء نیپال کے صدر نے کہا: ہم حکومت کے ساتھ ہیں۔ لیکن عملی اقدامات جلد نظر آنے چاہئیں۔ نفرت کی سیاست کو جڑ سے ختم کرنا ہوگا

مراسلہ

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ!

امید ہے آپ خیریت سے ہونگے۔ ہمالیہ کی چوٹی سے نکلنے والا صحافت کا روشن مینار نیپال اردو ٹائمز میرا پسندیدہ اخبار ہے۔ مجھے بے حد خوشیٔ ہوئی اس اخبار کو پڑھنے سے۔ اس اخبار میں ہندوستان بھر کے تمام ریاستوں سے تعلق رکھنے والے ادیب وشعرائ، محقق و نقادوں کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ اس اخبار میں ہندوستان بھر کی خبریں ہمیں فراہم ہوتی ہیں۔ یہ ایک ایسا اخبار ہے جو ہمیں تمام ہندوستان کی خبر دیتا ہے۔ اور خاص کر طلبا و طالبات اور ریسرچ اسکالروں کے لئے یہ اخبار مفید ہے۔ نیپال اردو ٹائمز اخبار میں ہندوستان بھر کے مختلف گوشوں سے تعلق رکھنے والے ادباء وشعرائ، ادیب و محقق اور نقادوں کے بارے میں جانکاری ملتی ہے۔ یہ بہت بڑا کام ہے۔ میں تہہ دل سے عبدالجبار علیمی نیپالی صاحب کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔

ڈاکٹر۔ نجم النساء ناز، اردو لکچرار، شعبہ اردو، یوگی ویمنا یونیورسٹی۔ کڑپہ۔ آندھرا پردیش۔ فون نمبر۔ ۹۹۸۵۷۰۳۵۷۴

نیپال-بھارت سرحد سے متعلق تکنیکی مذاکرات: لکھنؤ میں سروے حکام کی اہم میٹنگ ۱۲ اگست سے

احمد رضا ابن عبد القادر اویسی نمائندہ نیپال اردو ٹائمز

کاٹھمانڈو نیپال اور بھارت کے درمیان سرحدی امور سے متعلق تکنیکی معاملات پر غور کے لیے سروے آفیسرز کمیٹی (ایس او سی) کا ۱۳واں اجلاس ۱۲ سے ۱۴ اگست تک بھارت کے شہر لکھنؤ میں منعقد ہوگا۔ اس اجلاس میں بارڈر ورکنگ گروپ (بی ڈبلیو جی) کے ساتویں اجلاس میں کیے گئے فیصلوں پر عمل درآمد کے لیے مجوزہ منصوبہ عمل اور بجٹ کی منظوری دیے جانے کی توقع ہے۔ بارڈر ورکنگ گروپ نیپال اور بھارت کے درمیان سرحد سے متعلق تکنیکی امور کا اعلیٰ ترین دوطرفہ فورم ہے، تاہم سوستا اور کالاپانی کے متنازع سرحدی علاقے اس کے دائرہ کار میں شامل نہیں ہیں۔ نیپالی وفد کی قیادت محکمہ سروے کے ڈپٹی ڈائریکٹر جنرل سشیل ڈنگول کریں گے۔ گزشتہ برس ۳۰ جولائی کو منعقد ہونے والے بی ڈبلیو جی کے ساتویں اجلاس میں دونوں ممالک نے آئندہ تین برس کے اندر نئے سرحدی ستون نصب کرنے، خراب شدہ ستونوں کی مشترکہ مرمت اور دیگر تکنیکی کام مکمل کرنے پر اتفاق کیا تھا۔

رولپہ جیپ حادثہ: ۹ مسافر زخمی، ایک کی حالت نازک، ڈرائیور گرفتار

احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
رولپہ

نیپال کے ضلع رولپہ سے ڈانگ کی طرف جانے والی ایک مسافر جیپ حادثے کا شکار ہو گئی ہے، جس کے نتیجے میں ۹ افراد زخمی ہو گئے ہیں اور ایک کی حالت تشویشناک ہے۔ یہ حادثہ ۴ اگست ۲۰۲۶ء کو پیش آیا۔ رولپہ کی گنگادیو گاؤں پالیکا-۱ بھورتی سے تلسی پور (ڈانگ) کی طرف جانے والی جیپ (نمبر Lu 1 Ja 1743) اچانک بے قابو ہو کر سڑک سے تقریباً ۱۵ میٹر نیچے کھائی میں جا گری۔
متاثرین کی تعداد: گاڑی میں ڈرائیور سمیت کل ۱۰ افراد سوار تھے، جن میں سے ۹ مسافر زخمی ہوئے۔ تشویشناک حالت: حادثے میں زخمی ہونے والے جیپ کے ہیلپر (شریک ڈرائیور) چترا رام ولی کی حالت انتہائی نازک بتائی گئی ہے۔ تمام زخمیوں کو ابتدائی طبی امداد کے بعد مزید علاج کے لیے ڈانگ
کے تلسی پور میں واقع راپتی پروونشل ہسپتال منتقل کر دیا گیا ہے۔ مقامی پولیس حکام کے مطابق، جیپ چلانے والے ۲۲ سالہ ڈرائیور دل کمار ولی (جو گنگادیو گاؤں پالیکا-۱ کے ہی رہائشی ہیں) کو حراست میں لے لیا گیا ہے۔ پولیس نے حادثے کی اصل وجہ (ڈرائیور کی غفلت یا گاڑی کی تکنیکی خرابی) کا پتہ لگانے کے لیے باقاعدہ قانونی تحقیقات کا آغاز کر دیا ہے

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

ہفت روزہ
نیپال اردو ٹائمز
Weekly The
NEPAL URDU TIMES
Reg.No: 5310 -2082/2083 - www.nepalurdutimes.com

عالمی خبریں

06/اگست 2026، 21/صفر المظفر 1448ھ، 21 گتے ساون 2083 بکرم

چین کا امریکہ پر جوابی وار، ڈرون بر آمدات پر پابندی

بینکاک:(ایجنسیاں) امریکہ کی جانب سے حالیہ پابندیوں کے جواب میں چین نے بدھ کے روز امریکہ کے خلاف کئی معاشی اقدامات کا اعلان کیا، جن میں امریکہ کو ڈرون کی بر آمدات پر کنٹرول اور چھ امریکی کمپنیوں کے ساتھ کاروباری تعلقات پر پابندی شامل ہے۔ یہ پیش رفت ایسے وقت میں ہوئی ہے جب ستمبر میں چینی صدر شی جن پنگ کے امریکہ کے ممکنہ دورے کی قیاس آرائیاں جاری ہیں۔ اگرچہ مئی میں بیجنگ میں امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ سے ان کی ملاقات کے بعد دونوں ممالک کے تعلقات میں بہتری کے آثار دکھائی دیے تھے، تاہم دنیا کی دو بڑی معیشتوں کے درمیان کشیدگی ایک بار پھر بڑھتی نظر آ رہی ہے۔ چین کی وزارتِ تجارت نے کہا کہ یہ اقدامات امریکہ کی حالیہ کارروائیوں کے جواب میں کیے گئے ہیں۔ ان میں امریکی فیڈرل کمیونیکیشن کمیشن (ایف سی سی) کی جانب سے چینی ڈرون کی درآمد پر پابندی اور امریکی محکمہ داخلی سلامتی کا وہ فیصلہ شامل ہے، جس کے تحت جبری مشقت سے تیار کردہ اشیا کی درآمد روکنے کے لیے ۴۳ چینی کمپنیوں کو ایغور جبری مشقت کی روک تھام کے قانون (Uyghur Forced Labor Prevention Act) کی فہرست میں شامل کیا گیا ہے۔ وزارت نے اپنے بیان میں کہا، "یہ اقدامات دونوں ممالک کے سربراہان کے درمیان طے پانے والی اہم مفاہمت کی سنگین خلاف ورزی ہیں اور چین کے جائز حقوق و مفادات کو شدید نقصان پہنچاتے ہیں۔ اس کے جواب میں چین کے پاس ضروری جوابی اقدامات کرنے کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔" بیان میں کہا گیا کہ چین نے اب تک تحمل کا مظاہرہ کیا ہے اور امریکہ سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ بیجنگ کے خلاف عائد پابندیاں واپس لے اور اپنی "غلط روش" ترک کرے۔ ساتھ ہی خبردار کیا گیا کہ اگر امریکہ نے چین کے خلاف نئی پابندیاں نافذ کیں تو واشنگٹن کے خلاف مزید جوابی پابندیاں بھی عائد کی جاسکتی ہیں۔

چین نے اپلائیڈ ڈی این اے سائنسز (Applied DNA Sciences Inc.) اور غیر سرکاری تنظیم ہیومن رائٹس اِن چائنا (Human Rights in China) سمیت چھ امریکی اداروں پر چینی اداروں کے ساتھ تجارت یا دیگر سرگرمیوں میں حصہ لینے پر پابندی عائد کر دی ہے۔ وزارتِ تجارت نے یہ بھی بتایا کہ درآمد شدہ پرنٹنگ سافٹ ویئر اور دفتری آلات سے قومی سلامتی پر پڑنے والے ممکنہ اثرات کی بھی جانچ کی جا رہی ہے، تاہم اس نے متاثرہ کمپنیوں کے نام ظاہر نہیں کیے۔ یاد رہے کہ گزشتہ دسمبر میں امریکی ایف سی سی نے نئے چینی ڈرون کی درآمد پر پابندی لگا دی تھی، اگرچہ بعد میں بعض ماڈلز کو منظوری دینے کے لیے اس پابندی میں نرمی کی گئی۔ گزشتہ ہفتے امریکی حکام نے قومی سلامتی کے خدشات کا حوالہ دیتے ہوئے بیرون ملک تیار ہونے والے نئے ہیومنوئیڈ روبوٹس اور پاور اِنورٹرز کی درآمد پر بھی پابندی عائد کر دی تھی، جس کا بنیادی ہدف چین کو قرار دیا جا رہا ہے۔

دبئی میں ۲۰ منٹ کے اندر ے دھماکوں سے ہر طرف پھیل گیا دھواں، عوام میں خوف و دہشت کا ماحول

متحدہ عرب امارات:(نیوز ایجنسی) دبئی کے جبل علی صنعتی علاقہ میں یکے بعد دیگرے کئی دھماکوں سے ہر طرف خوف و دہشت پھیل گئی ہے۔ سوشل میڈیا پر پوسٹ کی گئی ویڈیوز میں بوقت شب آسمان پر دھوئیں کے گھنے بادل چھائے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں۔ ایران کی 'مہر' نیوز ایجنسی نے یو اے ای حکام کے حوالے سے بتایا کہ ۲۰ منٹ کے اندر کم از کم ۷ دھماکے ہوئے ہیں۔ میڈیا رپورٹس کے مطابق اس واقعہ کی ویڈیو بنانے کے الزام میں ۲ افراد کو گرفتار بھی کیا گیا ہے۔ ابھی یہ واضح نہیں ہے کہ یہ واقعہ کسی حملے کا نتیجہ تھا یا صنعتی حادثہ۔ عراق کے ذرائع ابلاغ نے دعویٰ کیا ہے کہ امریکہ اور ایران کے درمیان جاری کشیدگی کے دوران یمن سے متحدہ عرب امارات پر میزائل حملہ کیا گیا ہے۔ تاہم، یو اے ای میڈیا نے دھماکوں کی وجہ کے بارے میں کوئی سرکاری اطلاع نہیں دی ہے۔ 'مہر' کی ایک رپورٹ میں ناسا کی تھرمل امیجنگ کا حوالہ دیتے ہوئے یہ ضرور بتایا گیا ہے کہ بندرگاہ سے متصل ایک گودام میں آگ لگ گئی تھی، جسے ایندھن ذخیرہ کرنے اور منتقل کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔

بہر حال، ان دھماکوں میں کسی کے ہلاک یا زخمی ہونے یا نقصان کی اطلاع فوری طور پر نہیں مل سکی ہے۔ سوشل میڈیا پر سامنے آنے والی ویڈیوز میں دھماکوں کے بعد کی صورت حال دکھائی دے رہی ہے، جس میں رہائشی علاقے کے قریب آسمان میں سیاہ دھواں اٹھتا دکھائی دے رہا ہے۔ قابل ذکر ہے کہ دبئی شہر کے مرکز سے تقریباً ۲۵ میل جنوب مغرب میں واقع جبل علی، متحدہ عرب امارات (یو اے ای) کے اہم شاپنگ مراکز میں سے ایک ہے۔ یہاں مصنوعی جزیروں کا مجموعہ 'پام جبل علی' اور دنیا کی سب سے بڑی انسانی ساختہ بندرگاہ کے قریب ایک فری ٹریڈ زون ہے، تاکہ بین الاقوامی شپنگ آسانی سے ہو سکے۔ امریکہ-ایران جنگ کے دوران متحدہ عرب امارات ہائی الرٹ پر رہا ہے، کیونکہ اس علاقے میں امریکہ کے اتحادیوں پر تہران کے جوابی حملوں میں متحدہ عرب امارات اکثر نشانہ بنتا رہا ہے

روس نے یوکرین کے دارالحکومت کیف پر رات بھر حملہ کر کے ۱۷ افراد کو ہلاک کر دیا

کیف:(ایجنسیاں)۔ یوکرین کے دارالحکومت اور گردونواح میں رات بھر کیے گئے روسی حملوں میں ۱۷ افراد ہلاک اور ایک درجن سے زائد شہری زخمی ہوگئے۔ یوکرین کی فضائیہ نے کہا کہ روس نے رات بھر ۲۴ بیلسٹک میزائل اور چار اینٹی شپ میزائل داغے۔ پہلی بار اپنے بیان میں فضائیہ نے ان میں سے کسی کو روکنے کا ذکر نہیں کیا۔ یوکرین کے فوجی ذرائع کے مطابق فوج کے پاس میزائل انٹر سیپٹرز کا ذخیرہ بہت کم رہ گیا ہے۔ سی این این کے مطابق جولائی میں یوکرین میں روسی حملوں میں کم از کم ۳۷۷ شہری ہلاک اور ۲،۱۲۹ زخمی ہوئے۔ اپریل ۲۰۲۲ کے بعد یہ پہلا موقع ہے کہ ایک ہی مہینے میں اتنی بڑی تعداد میں ہلاکتیں ہوئیں۔ چار سال سے زائد عرصے تک جاری رہنے والی جنگ کے باوجود یہ جارحیت کا سب سے مہلک مہینہ تھا۔ روس کا راتوں رات تازہ ترین حملہ ایک روسی ای کامرس کمپنی وائلڈبیریز کا ردعمل معلوم ہوتا ہے۔ یوکرین نے حال ہی میں کمپنی کے گوداموں کو نشانہ بنایا ہے۔

روس نے یوکرین کے دارالحکومت اور اس کے آس پاس کے گوداموں اور رسد کی تنصیبات کو نشانہ بنایا ہے۔ حملے میں کئی صنعتی عمارتوں کو شدید نقصان پہنچا۔ یوکرین کے صدر زیلنسکی نے ٹیلی گرام پر ایک پوسٹ میں کہا، اس حملے کا اصل ہدف شہری کاروبار سے تعلق رکھنے والے گودام تھے۔ انہوں نے کہا کہ بیئر فیکٹری اور ہارڈویئر اسٹور، ریلوے اسٹیشن اور دیگر انفراسٹرکچر کے گوداموں کو نقصان پہنچا ہے۔ یوکرین کی ایمرجنسی سروس نے بدھ کو کہا کہ امدادی کارکن خطرناک حالات میں کام کر رہے ہیں۔ روس سے حملے کا خطرہ بدستور موجود ہے۔ روسی وزارت دفاع نے کہا کہ اس حملے میں گائیڈڈ زمین سے لانچ کیے جانے والے سٹیک ہتھیاروں اور طویل فاصلے تک مار کرنے والے ڈرونز کا استعمال کیا گیا۔ زیلنسکی نے ایک بار پھر یوکرین کے اتحادیوں سے روسی میزائلوں کو مار گرانے کے لیے درکار فوجی ساز و سامان فراہم کرنے کی اپیل کی۔ انہوں نے کہا کہ ملک کو پیٹریاٹ میزائل سسٹم کے لیے امریکی ساختہ انٹر سیپٹرز کی کمی کا سامنا ہے، یہ واحد دفاعی نظام ہے جو کچھ جدید بیلسٹک میزائلوں کو مار گرانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

اسرائیل کی ہٹ دھرمی برقرار، نیتن یاہو نے ٹرمپ کے غزہ منصوبہ کو کیا مسترد

تل ابیب:(ایجنسیاں) اسرائیلی وزیراعظم بنجامن نیتن یاہو نے واضح کیا ہے کہ اسرائیل نے غزہ سے متعلق امریکا کے حمایت یافتہ مجوزہ منصوبے سے اتفاق نہیں کیا، اگرچہ واشنگٹن کی جانب سے یہ یقین دہانی کرائی گئی تھی کہ اسرائیلی فوج کا انخلا صرف اس صورت میں ہوگا جب حماس مکمل طور پر غیر مسلح ہو جائے گی۔ اپنے سوشل میڈیا اکاؤنٹس پر جاری ایک ویڈیو بیان میں نیتن یاہو نے کہا کہ امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کی ٹیم کا خیال ہے کہ وہ حماس کو غیر مسلح کرنے اور غزہ کو فوجی سرگرمیوں سے پاک کرنے میں کامیاب ہو سکتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ 'ہم اس تجویز کا جائزہ لے رہے ہیں۔ امریکی ٹیم نے ہمیں ایک مسودہ بھیجا تھا، لیکن ہم نے اس سے اتفاق نہیں کیا کیونکہ یہ ہمارا مسودہ نہیں تھا۔ ہم نے اس پر اپنی تجاویز اور تبصرے واپس بھیج دیے ہیں۔' نیتن یاہو نے مزید کہا کہ اسرائیل کا مؤقف بدستور یہی ہے کہ غزہ میں کسی بھی سیاسی یا تعمیرِ نو کے عمل سے پہلے حماس کو مکمل طور پر غیر مسلح کرنا ضروری ہے۔ اسرائیلی وزیراعظم کا بیان ایسے وقت میں سامنے آیا ہے جب امریکا غزہ میں جنگ بندی، یرغمالیوں کی رہائی اور مستقبل کے سیاسی انتظامات کے لیے مختلف فریقوں کے درمیان سفارتی کوششیں جاری رکھے ہوئے ہے۔ سیاسی مبصرین کے مطابق نیتن یاہو کے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ غزہ کے مستقبل کے حوالے سے اسرائیل اور امریکا کے درمیان بعض اہم نکات پر ابھی بھی اختلافات موجود ہیں۔ تاحال امریکی حکومت کی جانب سے نیتن یاہو کے تازہ بیان پر کوئی باضابطہ ردعمل سامنے نہیں آیا، تاہم سفارتی ذرائع کے مطابق دونوں ممالک کے درمیان مشاورت کا سلسلہ جاری ہے۔ تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ اگر غزہ کے مستقبل، جنگ بندی اور حماس کے غیر مسلح ہونے جیسے معاملات پر اتفاق رائے پیدا نہ ہو سکا تو خطے میں امن کے لیے جاری سفارتی کوششوں کو مزید مشکلات کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے

حوثیوں کا سعودی آئل ٹینکر پر حملے کا دعویٰ

صنعا:(ایجنسیاں) یمن کے حوثی باغیوں نے بدھ کے روز دعویٰ کیا ہے کہ انہوں نے شمالی بحیرہ احمر میں ایک سعودی آئل ٹینکر کو نشانہ بنایا ہے۔ حوثیوں نے اس کارروائی کو اپنی جاری سمندری ناکہ بندی مہم کا حصہ قرار دیا ہے۔ حوثیوں کے ترجمان یحییٰ سریع نے سوشل میڈیا پلیٹ فارم ایکس پر جاری بیان میں کہا کہ ان کی فورسز نے بندرگاہی شہر ینبع کے ساحل کے قریب سعودی آئل ٹینکر وفاء کو کئی بیلسٹک میزائلوں سے نشانہ بنایا۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ حملہ انتہائی درست تھا اور یہ کامیابی سے انجام دیا گیا۔ یحییٰ سریع کے مطابق اس کارروائی کے بعد گزشتہ ماہ شروع کی گئی سمندری ناکہ بندی کے دوران حوثیوں کی جانب سے نشانہ بنائے گئے سعودی آئل ٹینکروں کی تعداد ۸ ہو گئی ہے۔ انہوں نے مزید دعویٰ کیا کہ بحیرہ احمر اور بحیرہ عرب میں اب تک ۲۹ سعودی آئل ٹینکروں کو راستہ تبدیل کرنے یا واپس جانے پر مجبور کیا جا چکا ہے۔

ترجمان نے کہا کہ باب المندب آبنائے پر دباؤ بڑھنے کے بعد سعودی عرب نے اپنے آئل ٹینکروں کا راستہ تبدیل کرتے ہوئے انہیں شمالی بحیرہ احمر سے گزارنا شروع کیا۔ انہوں نے خبردار کیا کہ حوثیوں کی کارروائیاں آئندہ بھی جاری رہیں گی اور شمالی بحیرہ احمر میں سعودی آئل ٹینکروں کو نشانہ بنا کر ان کے تمام بحری راستے بند کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ ان کے مطابق اس کا مقصد "ناکہ بندی کے جواب میں ناکہ بندی" کی حکمت عملی نافذ کرنا ہے، خواہ اس کے نتائج کچھ بھی ہوں۔ دوسری جانب گزشتہ ہفتے سعودی عرب اور ۱۳ دیگر ممالک نے اہم بحری گزرگاہوں میں تجارتی جہازوں کے تحفظ کے لیے ایک مشترکہ دفاعی بحری اتحاد قائم کرنے پر اتفاق کیا تھا۔ سعودی وزارت دفاع کے مطابق یہ اتحاد باب المندب آبنائے، بحیرہ احمر اور خلیج عدن میں تجارتی جہازوں کی حفاظت کے لیے کام کرے گا۔ یہ پیش رفت ایسے وقت میں سامنے آئی ہے جب ایران کی حمایت یافتہ حوثی ملیشیا کی کارروائیوں کے باعث بحری تجارت مسلسل متاثر ہو رہی ہے۔ آبنائے ہرمز میں آمدورفت کی رکاوٹوں کے ساتھ مل کر ان حالات نے عالمی توانائی کے تحفظ سے متعلق خدشات میں اضافہ کر دیا ہے، جس کے نتیجے میں خام تیل کی قیمت ۹۰ امریکی ڈالر فی بیرل کے قریب پہنچ گئی ہے۔ سعودی وزارت دفاع کے مطابق اس بحری اتحاد کے بانی رکن ممالک میں سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر، پاکستان، ترکی، مصر، اردن، یمن، بنگلہ دیش، نائجیریا، سوڈان، جبوتی اور صومالیہ شامل ہیں۔ اس اتحاد کو ریاض میں منعقدہ ایک فوجی کانفرنس کے دوران باضابطہ شکل دی گئی، جس میں ۴۳ ممالک کے دفاعی سربراہان اور نمائندوں کے علاوہ یورپی یونین کے نمائندوں نے بھی شرکت کی۔ کانفرنس میں مجوزہ بنیادی منشور کا جائزہ براہ راست اور ویڈیو کانفرنس کے ذریعے ہونے والے اجلاس میں لیا گیا

فلپائن میں ۶٫۳ کی شدت کا زلزلہ

منیلا:(ایجنسیاں) فلپائن میں ۶٫۳ شدت کے زلزلے کے جھٹکے محسوس کئے گئے ہیں۔ امریکی جیولوجیکل سروے کے مطابق چہار شنبہ کے روز فلپائن کے جنوبی ساحل کے قریب ۶٫۳ کی شدت کا زلزلہ ریکارڈ کیا گیا ہے تاہم کسی جانی یا مالی نقصان کی اطلاع موصول نہیں ہوئی۔ امریکی جیولوجیکل سروے اور پیسیفک سونامی وارننگ سینٹر کے مطابق زلزلہ مقامی وقت کے مطابق دوپہر ۱۲:۱۴ بجے آیا۔ اس کا مرکز سارانگانی جزیرے سے تقریباً ۳۲ کلومیٹر جنوب مغرب میں اور گہرائی ۶۲ کلومیٹر تھی۔ زلزلے کے بعد سونامی کی کوئی وارننگ جاری نہیں کی گئی۔ مقامی امدادی اہلکار ہارلی ساؤرو نے کہا ہے کہ زلزلہ اس وقت آیا جب سینکڑوں افراد حکومت کی جانب سے فراہم کی جانے والی مالی امداد وصول کرنے کے لیے جمع تھے۔ انہوں نے کہا ہے کہ "زلزلے کے جھٹکے کافی شدید تھے ۔ میں نے لوگوں کو گھبراہٹ میں بھاگتے اور چیختے ہوئے دیکھا۔ زلزلہ اس وقت آیا جب مقامی انتظامیہ مالی امداد تقسیم کر رہی تھی، اس لیے عدالت کی عمارت میں بڑی تعداد میں لوگ موجود تھے لیکن خوش قسمتی سے سب محفوظ رہے

دبئی کے صنعتی علاقہ میں متعدد دھماکوں کے بعد آگ بھڑک اُٹھی

دبئی:(ایجنسیاں) دبئی کے جیبل علی صنعتی علاقے اور بندرگاہ کے علاقے میں چہار شنبہ کی صبح ہونے والے دھماکوں کے بعد زبردست آگ لگنے کے بعد دھوئیں کے بادل اٹھتے دیکھے گئے ۔ اطلاعات کے مطابق جبل علی کے علاقے میں تقریباً ۲۰ منٹ کے اندر اندر کم از کم ۷ دھماکوں کی آوازیں سنی گئیں۔ حکام نے ابھی تک واقعہ کی وجہ کی تصدیق نہیں کی ہے اور نہ ہی کسی گروپ نے ذمہ داری قبول کی ہے۔ سوشل میڈیا پر وائرل ہونے والی ویڈیوز میں جبل علی بندرگاہ کے قریب سے دھوئیں کے گہرے بادل اٹھتے دکھائی دے رہے ہیں۔ ناسا کی تھرمل امیجری نے بندرگاہ سے متصل ایک گودام کے قریب آگ لگنے کا اشارہ کیا، جو ایندھن کے ذخیرہ اور نقل و حمل کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ کچھ عراقی ذرائع ابلاغ نے دعویٰ کیا کہ یہ دھماکوں کا تعلق یمن سے داغے گئے میزائل حملے سے تھا، جب کہ متحدہ عرب امارات (یو اے ای) کے میڈیا نے متعدد دھماکوں کی تصدیق کی ہے لیکن کوئی سرکاری تفصیلات فراہم نہیں کیں۔ عرب میڈیا رپورٹس کے مطابق متحدہ عرب امارات کے حکام نے آگ کی فلم بندی کرنے پر دو افراد کو حراست میں لے لیا۔ حکام نے گرفتاریوں یا واقعے کے ارد گرد کے حالات کے بارے میں مزید تفصیلات جاری نہیں کیں۔ دریں اثنا، ایک الگ واقعے میں یمنی دارالحکومت صنعا میں متعدد دھماکوں کی اطلاع ہے۔ وجہ پر ذرائع مختلف ہیں۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ آوازیں فضائی حملوں کی تھیں جب کہ دوسروں کا خیال ہے کہ یہ یمنی سرزمین سے میزائل کی سرگرمی تھی۔ متحدہ عرب امارات کے حکام نے ابھی تک اس واقعے سے متعلق کوئی تفصیلی بیان جاری نہیں کیا ہے اور دھماکوں کی وجوہات کی تحقیقات جاری ہیں۔ حملے یا صنعتی حادثے کے امکان کی تاحال تصدیق نہیں ہو سکی ہے۔ کچھ رپورٹس یہ بھی بتاتی ہیں کہ آگ بندرگاہ کے علاقے کے قریب ایک گودام میں لگی، جو مبینہ طور پر ایندھن کے ذخیرہ کرنے اور منتقلی کے کاموں سے منسلک ہے۔

امریکہ کے ۸۰ فیصد دفاعی میزائل ختم ہو چکے: رپورٹ

واشنگٹن:(نیوز ایجنسی) امریکہ کے اہم ترین میزائل ڈیفنس سسٹم 'تھاڈ' (THAAD) میں استعمال ہونے والے انٹر سیپٹرز (میزائلوں) کا تقریباً ۸۰ فیصد ذخیرہ ختم ہو چکا۔ امریکی نشریاتی ادارے سی این این نے معاملے سے باخبر دو ذرائع کے حوالے سے رپورٹ کیا ہے کہ ایران کے خلاف جنگ کے آغاز سے اب تک امریکی فوج اپنے تھاڈ میزائلوں کے ذخیرہ کا تقریباً ۸۰ فیصد حصہ استعمال کر چکی ہے جبکہ جنگ سے پہلے کی تعداد کے مقابلے میں 'پیٹریاٹ' (Patriot) انٹر سیپٹرز کا بھی لگ بھگ نصف ذخیرہ ختم ہو چکا ہے۔ سی این این کے مطابق گولہ بارود کے کم ہوتے ذخائر اور مشرق وسطیٰ میں امریکی اتحادیوں پر ایران کی ممکنہ جوابی کارروائی کے خدشات نے صدر ڈونلڈ ٹرمپ کو ایرانی تنصیبات پر بڑے پیمانے پر حملوں کا منصوبہ منسوخ کرنے پر آمادہ کیا۔ دوسری جانب پنٹگان اور وائٹ ہاؤس کے حکام نے گولہ بارود اور اسلحے کے ذخیرے میں کمی کے ان خدشات کو یکسر مسترد کر دیا ہے۔ پنٹگان کے ترجمان شان پارنیل نے سی این این سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ امریکی فوج دنیا کی سب سے طاقتور فوج ہے اور اس کے پاس وہ سب کچھ موجود ہے جو صدر کے منتخب کردہ وقت اور مقام پر کارروائی کے لیے درکار ہے۔ وائٹ ہاؤس کی ترجمان اینا کیلی نے اس حوالے سے مزید کہا کہ امریکی فوج کے پاس صدر ٹرمپ کے تمام اسٹریٹجک اہداف اور اس سے آگے کے مقاصد کو پورا کرنے کے لیے گولہ بارود اور دیگر ذخائر

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +9779701714929, +977 9817619786, +9779821442810

بٹوال تمام سیاسی جماعتیں امن کے لیے متحد تشدد اور نفرت کی مذمت

احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
بٹوال

نیپال کے دیگر حصوں میں سرگرم تمام بڑی سیاسی جماعتوں اور مقامی گروہوں نے سنسیری میں حالیہ فرقہ وارانہ کشیدگی کے بعد سماجی ہم آہنگی، مذہبی رواداری اور باہمی بھائی چارہ برقرار رکھنے کی مشترکہ اپیل کی ہے۔ اس سلسلے میں بٹوال کے ہائی وے چوک پر ایک گرینڈ "سماجی ہم آہنگی ریلی" بھی نکالی گئی جس کا بنیادی مقصد معاشرے میں امن و امان قائم رکھنا ہے۔ بٹوال میں مسلم کمیٹیوں اور مقامی یوتھ گروپس (ایم آر آر) کے تعاون سے نکالی گئی ریلی میں اس عزم کا اعادہ کیا گیا۔ شرکاء نے نیپال کا قومی پرچم اٹھا کر یہ پیغام دیا کہ تنوع میں اتحاد ہی ملک کی اصل طاقت ہے۔ سیاسی جماعتوں نے عوام سے اپیل کی ہے کہ وہ سوشل میڈیا پر پھیلنے والی جھوٹی افواہوں اور نفرت انگیز مواد پر کان نہ دھریں۔ اشتعال انگیزی سے بچنے اور کسی بھی ناخوشگوار واقعے کا حصہ نہ بننے کی سخت ہدایت کی گئی ہے۔ نیپال کی نو بڑی سیاسی جماعتوں (بشمول نیپالی کانگریس، سی پی این-یو ایم ایل، اور آر ایس پی) کے مرکزی رہنماؤں نے صوبائی اور ضلعی کمیٹیوں کو ہدایت دی ہے کہ وہ بٹوال سمیت تمام اضلاع میں آل پارٹی میٹنگز (سربراہ اجلاس) بلائیں۔ اس عمل میں مقامی مذہبی رہنماؤں، سول سوسائٹی اور انتظامیہ کو شامل کیا جا رہا ہے تاکہ باہمی اعتماد بحال ہو۔ اپیل میں واضح کیا گیا ہے کہ غصہ اور تصادم مسائل کو حل کرنے کے بجائے مزید پیچیدہ بناتے ہیں۔ تمام شہریوں سے زور دے کر کہا گیا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے عقائد، زبان اور ثقافت کا احترام کریں

سماجی ہم آہنگی بگاڑنے کا الزام: سرہا اور دھنوشہ سے ۱۸ افراد گرفتار

احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
مدھیش پردیش

نیپال پولیس نے سرہا اور دھنوشہ اضلاع سے ۸ افراد کو فرقہ وارانہ اور سماجی ہم آہنگی کو نقصان پہنچانے کے الزام میں گرفتار کیا ہے۔ یہ گرفتاریاں ترائی خطے کے ضلع سنسری کے علاقے کپتان گنج میں ہونے والے حالیہ پرتشدد واقعات کے تناظر میں کی گئی ہیں۔ سنسری میں دو مذہبی برادریوں کے مابین لاؤڈ اسپیکر کے استعمال اور مذہبی جھنڈے لہرانے پر شروع ہونے والا تنازعہ تصادم کی شکل اختیار کر گیا، جس میں ۳ افراد ہلاک اور متعدد زخمی ہوئے۔ اس واقعے کے بعد ترائی کے دیگر اضلاع میں بھی کشیدگی پھیل گئی۔ امن و امان برقرار رکھنے کے لیے نیپال پولیس کے ہیڈ کوارٹر نے ترائی کے مختلف اضلاع میں سخت مانیٹرنگ شروع کی، جس کے نتیجے میں ابتدائی طور پر ۸ افراد کو حراست میں لیا گیا: سرہا ۵ افراد گرفتار۔ دھنوشہ: ۳ افراد گرفتار۔ گرفتار کیے گئے افراد پر درج ذیل الزامات عائد ہیں: فیس بک اور دیگر پلیٹ فارمز پر اشتعال انگیز پوسٹس، نفرت انگیز بیانات اور افواہیں پھیلانا۔ عوام کو سڑکوں پر احتجاج، توڑ پھوڑ اور جلاؤ گھیراؤ کے لیے اکسانا۔ معاشرتی رواداری اور یکجہتی کو دانستہ طور پر نقصان پہنچانے کی کوشش کرنا۔ پولیس ترجمان کے مطابق زیر حراست افراد کے خلاف پبلک آرڈر اور متعلقہ قوانین کے تحت مقدمات چلا کر سخت قانونی کارروائی کی جا رہی ہے۔ نیپال پولیس اور مقامی ضلعی انتظامیہ نے شہریوں سے پرامن رہنے کی اپیل کی ہے اور واضح کیا ہے کہ کسی بھی قسم کی نفرت انگیز مہم کا حصہ بننے والوں کو بخشا نہیں جائے گا۔

بالیندر حکومت کے چار ماہ: اصلاحات کے نعروں سے تنازعات کے گھیرے تک

تنفیق رضا
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز

کاٹھمانڈو: اصلاحات کے وعدوں اور عوامی حمایت کے ساتھ وزیرِ اعظم بالیندر شاہ کی قیادت میں قائم ہونے والی حکومت صرف چار ماہ کے اندر متعدد تنازعات کی زد میں آ گئی ہے۔ اگرچہ حکومت نے کچھ اصلاحی اقدامات کیے، لیکن اس دوران کیے گئے تقریباً ڈیڑھ درجن فیصلوں نے اسے شدید تنقید کا سامنا کرایا۔ حکومت کی بعض پالیسیوں نے عام شہریوں کی روزمرہ زندگی کو بھی متاثر کیا۔ حکومت نے اقتدار سنبھالنے کے بعد انتظامی اصلاحات کے لیے ۱۰۰ نکاتی ایجنڈا پیش کیا، جسے ابتدا میں مثبت انداز میں دیکھا گیا۔ تاہم تقریباً ایک ماہ بعد، مناسب متبادل رہائش کا انتظام کیے بغیر بے گھر اور غریب بستیوں کو خالی کرانے کے اقدام پر حکومت تنقید کی زد میں آ گئی۔ بعد ازاں جب صدر رام چندر پاؤڈیل پارلیمنٹ میں حکومت کی پالیسی اور پروگرام پیش کر رہے تھے، تو وزیرِ اعظم بالیندر شاہ کا اجلاس کے دوران اٹھ کر چلے جانا بھی شدید تنقید کا باعث بنا۔ بجٹ میں نجی تعلیمی اداروں اور نجی صحت کی خدمات پر ۳ فیصد مساواتی ٹیکس عائد کرنے اور بجلی پر ویلیو ایڈیڈ ٹیکس (VAT) نافذ کرنے کے فیصلے نے عوام میں ناراضی پیدا کی۔ شدید عوامی ردِ عمل کے بعد تعلیم اور صحت پر عائد مساواتی ٹیکس واپس لے لیا گیا، تاہم بجلی پر وی اے ٹی بدستور برقرار ہے۔ مزید تنازع اس وقت پیدا ہوا جب وزیرِ اعظم شاہ نے کابینہ کے باضابطہ فیصلے سے پہلے ہی تعلیم اور صحت کے مساواتی ٹیکس کی منسوخی کا اعلان فیس بک پر کر دیا۔ اس اقدام پر حکومتی طریقۂ کار اور آئینی ضابطوں پر سوالات اٹھائے گئے اور ناقدین نے اسے وزیرِ اعظم کے منصب کے شایانِ شان نہ ہونے اور جوابدہی سے گریز کی مثال قرار دیا۔ فیس بک پوسٹ کے اگلے روز کابینہ نے باضابطہ طور پر اس ٹیکس کو معطل کرنے کا فیصلہ کیا۔ سنسری ضلع کے دیوان گنج میں ساون کے دوسرے ہفتے دو فریقوں کے درمیان پیدا ہونے والے تنازع کو بروقت قابو نہ کیا جا سکا، جس کے باعث کشیدگی مدھیش پردیش تک پھیل گئی۔ صورتحال پر فوری اور مؤثر کارروائی نہ کرنے پر وزیرِ اعظم اور وزیرِ داخلہ دونوں کو شدید تنقید کا سامنا کرنا پڑا، جبکہ متاثرہ علاقے میں حکومتی نمائندوں کی عدم موجودگی پر بھی سوالات اٹھے۔ ۱۰ ساون کو دیوان گنج میں دو گروہوں کے درمیان جھڑپ کے دوران پولیس کی فائرنگ سے اوم پرکاش مہتا موقع پر ہی جاں بحق ہو گئے، جبکہ زخمی جے پرکاش مہتا علاج کے دوران پانچویں روز انتقال کر گئے۔ اسی دن ضلع سرہا کے گول بازار میں پولیس کی فائرنگ سے ۱۵ سالہ گنیش یادو بھی جاں بحق ہو گئے۔ سنسری واقعے کے ایک اور زخمی رویندر کمار مہتا علاج کے دوران دسویں روز دم توڑ گئے۔ تین افراد کی ہلاکت کے بعد، یعنی سنسری واقعے کے پانچویں دن کی شام، وزیرِ اعظم بالیندر شاہ نے قوم سے خطاب کیا۔ اسی روز وزیرِ داخلہ سودھن گرونگ مذاکرات اور صورتحال کا جائزہ لینے کے لیے سنسری پہنچے، جہاں انہوں نے بیراٹ نگر میں زیرِ علاج زخمیوں کی عیادت کی اور رات بھر مذاکرات کے بعد متاثرہ خاندانوں سے معاہدہ کیا۔ بعد ازاں وہ سرہا بھی گئے اور وہاں مقتولین کے اہلِ خانہ سے بھی سمجھوتہ کیا۔ مرکز میں وزیرِ اعظم بالیندر شاہ اور حکمران جماعت راشٹریہ سوانتترا پارٹی (راسوپا) کے چیئرمین روی لامیچھانے کی جانب سے مسلسل رابطوں اور وزیرِ داخلہ کی متاثرہ علاقوں میں سرگرم موجودگی کے بعد حالات معمول پر آنے لگے۔ تاہم حکومت پر یہ تنقید برقرار رہی کہ اگر یہی سرگرمی اور سنجیدگی سنسری واقعے کے فوراً بعد دکھائی جاتی تو صورتحال اس قدر خراب نہ ہوتی۔ سنسری واقعے کے دوران وزیرِ اعظم شاہ نے زیادہ تر اپنا مؤقف صرف فیس بک کے ذریعے پیش کیا۔ انہوں نے لکھا: حکومت کی اولین ذمہ داری اپنے شہریوں کی حفاظت کو یقینی بنانا، قصورواروں کو قانون کے کٹہرے میں لانا اور متاثرین کو انصاف اور مناسب معاوضہ فراہم کرنا ہے۔ حکومت یہ تمام اقدامات حتی الامکان جلد مکمل کرے گی۔

دیوان گنج میں احتجاج کی آڑ میں مسلم خاندان کا گھر اور دکان نذر آتش، لاکھوں کا نقصان

احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
مدھیش پردیش

دیوان گنج دیہی میونسپلٹی آفس کے قریب ۲۷ جولائی ۲۰۲۶ کو احتجاج کے دوران ایک معصوم خاندان کو نشانہ بنایا گیا۔ مظاہرین نے شمیم پردھان کے رہائشی گھر اور ان کے بیٹے کی ہارڈویئر کی دکان کو آگ لگا دی جس سے لاکھوں روپے کا نقصان ہوا۔ مقامی ذرائع کے مطابق ۲۷ جولائی ۲۰۲۶ کو دیوان گنج میں جاری احتجاج کے دوران مشتعل افراد نے دیہی میونسپلٹی آفس کے قریب واقع شمیم پردھان کے گھر پر حملہ کیا اور اسے آگ لگا دی۔ اسی دوران ان کے بیٹے کی ہارڈویئر کی دکان کو بھی نذر آتش کر دیا گیا۔ دکان میں موجود سیمنٹ، لوہا، الیکٹرانکس کا سامان اور نقدی سب جل کر خاکستر ہو گیا۔ ابتدائی اندازوں کے مطابق دونوں جگہوں پر "لاکھوں روپے کا نقصان" ہوا ہے۔ شمیم پردھان نے کہا: ہم نے کسی کا کچھ نہیں بگاڑا۔ برسوں کی محنت ایک رات میں ختم ہو گئی۔ ہم انصاف چاہتے ہیں۔ خاندان کے افراد نے بتایا کہ آگ لگنے کے وقت گھر میں خواتین اور بچے موجود تھے جو جان بچا کر بھاگ نکلے۔ ضلع پولیس دفتر سنسری کے مطابق واقعے کی ایف آئی آر درج کر لی گئی ہے اور سی سی ٹی وی فوٹیج کی مدد سے ملزمان کی شناخت کی جا رہی ہے۔ علاقے میں سیکیورٹی بڑھا دی گئی ہے

وزیر داخلہ سودن گرونگ کا دورہ مٹیھانی، پیر بابا کے مزار پر چادر چڑھائی

احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
مدھیش پردیش

وزیر داخلہ "سودن گرونگ" نے ترائی کے چار روزہ دورے کے آخری دن مٹیھانی کا دورہ کیا۔ انہوں نے علاقے میں واقع "پیر بابا کے مزار" پر حاضری دی، چادر چڑھائی اور امن و بھائی چارے کے لیے دعا کی۔ وزیر داخلہ سودن گرونگ بدھ کی صبح مٹیھانی پہنچے۔ سب سے پہلے وہ شہر کے وسط میں واقع پیر بابا کے مزار پر گئے۔ وہاں انہوں نے فاتحہ خوانی کی، مزار پر چادر چڑھائی اور ملک میں امن، سلامتی اور سماجی ہم آہنگی کے لیے خصوصی دعا مانگی۔ میڈیا سے مختصر گفتگو میں وزیر داخلہ نے کہا: نیپال کی خوبصورتی اس کے مذہبی تنوع میں ہے۔ حکومت مندر، مسجد، مٹھ، گرجا گھر اور درگاہ سب کو یکساں نظر سے دیکھتی ہے۔ ہمارا مقصد نفرت ختم کر کے محبت اور بھائی چارے کو فروغ دینا ہے۔ انہوں نے کہا کہ حالیہ واقعات کے بعد ترائی میں امن بحال کرنا حکومت کی اولین ترجیح ہے اور اس کے لیے تمام برادریوں کو ساتھ لے کر چلا جائے گا۔ وزیر داخلہ نے یقین دہانی کرائی کہ حکومت متاثرین کو فوری ریلیف فراہم کرے گی اور نقصانات کا مناسب معاوضہ دیا جائے گا۔ انہوں نے ضلعی انتظامیہ کو ہدایت دی کہ متاثرین کی بحالی کے لیے فوری اقدامات کیے جائیں۔ سنسری، سرہا اور دھنوشا کے بعد مٹیھانی وزیر داخلہ کے دورے کا آخری اسٹاپ تھا۔ دورے کے دوران وزیر داخلہ نے ہندو اور مسلم دونوں برادریوں کے مذہبی مقامات کا دورہ کیا اور رہنماؤں سے ملاقاتیں کیں۔ واپسی سے پہلے وزیر داخلہ نے کہا "میں نے لوگوں سے جو درد سنا ہے اسے حکومت تک پہنچاؤں گا۔ ہم مل کر ہی ملک کو آگے لے جا سکتے ہیں۔

لپولیکھ نیپال کا اٹوٹ حصہ ہے، بھارت۔ چین تجارت کی بحالی پر حکومت کا شدید ردِ عمل

احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
کاٹھمانڈو

نیپال حکومت نے ہندوستان اور چین کے درمیان لپولیکھ درے کے راستے روایتی سرحدی تجارت کی باضابطہ بحالی پر تشویش کا اظہار کیا ہے۔ نیپال مسلسل لپولیکھ کے علاقے کو اپنا خود مختار علاقہ قرار دیتا رہا ہے۔ نیپال کی حکومت نے نیپال کی رضامندی یا شرکت کے بغیر لپولیکھ کے راستے تجارت دوبارہ شروع کرنے کے ہندوستان اور چین کے فیصلے پر اپنے تحفظات کا اظہار کیا ہے۔ نیپالی وزارت خارجہ کے جاری کردہ ایک بیان میں کہا گیا ہے کہ نیپال کی خود مختاری اور علاقائی سالمیت سے متعلق معاملات میں نیپال کو شامل کیے بغیر لیا گیا کوئی بھی فیصلہ یا سرگرمی قابل قبول نہیں ہو گی۔ نیپال اس بات کا اعادہ کرتا رہا ہے کہ لپولیکھ، لمپیادھورا اور کالاپانی کے علاقے نیپال کے اٹوٹ حصے ہیں۔ دوسری طرف ہندوستان کا موقف ہے کہ اتراکھنڈ کے پتھوراگڑھ ضلع کے اندر لپولیکھ اس کا اپنا علاقہ ہے اور چین نے بھی اس راستے سے ہندوستان کے ساتھ تجارت دوبارہ شروع کر دی ہے۔ وزارت خارجہ نے بتایا کہ حکومت نیپال نے اس معاملے کو سنجیدگی سے لیا ہے۔ وزارت کے ترجمان نے کہا: یہ

ایک سنگین معاملہ ہے۔ حکومت اس مسئلے کو اپنے چینلز کے ذریعے متعلقہ فورمز پر اٹھائے گی۔ نیپال نے اس سے قبل اس معاملے پر باضابطہ احتجاج درج کرایا تھا۔ اس کے بعد جب ہندوستان نے ۲۰۲۰ میں لپولیکھ کو جوڑنے والی سڑک کا افتتاح کیا تو نیپال اور ہندوستان کے تعلقات کشیدہ ہو گئے تھے۔ اسی سال نیپال نے ایک نیا سیاسی اور انتظامی نقشہ جاری کیا جس میں لمپیادھورا، لپولیکھ اور کالاپانی شامل تھے۔

سرہا: میں ایل پی گیس کا شدید بحران، شہری خالی سلنڈر لیے دکانوں کے چکر کاٹنے پر مجبور

احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
مدھیش پردیش

نیپال کے ضلع سرہا میں حالیہ دنوں میں ہانڈی پکانے والی ایل پی گیس

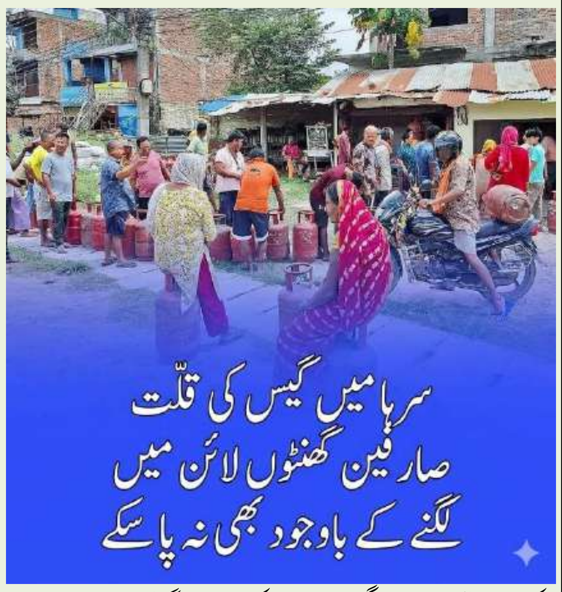

کی شدید قلت پیدا ہو گئی ہے، جس کی وجہ سے گول بازار، لہان اور رگھوناتھ پور چوک جیسے علاقوں میں صارفین شدید مشکلات کا شکار ہیں۔ شہری علی الصبح سے ہی خالی سلنڈر اٹھائے گیس ڈیلرز کی دکانوں کے باہر لمبی لائنوں میں لگنے پر مجبور ہیں۔ نیپال آئل کارپوریشن نے اس سے قبل قلت سے نمٹنے کے لیے ۷.۱ کلوگرام کے آدھے سلنڈر فروخت کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ تاہم، جولائی کے وسط سے دوبارہ پورے ۱۴.۲ کلوگرام کے سلنڈر کی تقسیم بحال ہوتے ہی مارکیٹ میں گیس کی طلب اچانک حد سے زیادہ بڑھ گئی۔ طلب میں اچانک اضافے اور خوف کی وجہ سے صارفین نے خالی سلنڈر بھروانے کے لیے مارکیٹ کا رخ کیا، جس سے سپلائی چین اور بوٹلنگ پلانٹس پر دباؤ بڑھ گیا۔ صارفین کی حقوق کی تنظیموں کا الزام ہے کہ بعض مقامی ڈیلرز مصنوعی قلت پیدا کر کے صارفین سے دگنی قیمتیں وصول کر رہے ہیں۔ وزارتِ صنعت، تجارت و رسد نے واضح کیا ہے کہ ملک میں گیس کی درآمدات معمول سے زیادہ ہیں اور شہریوں سے اپیل کی ہے کہ وہ افواہوں پر کان دھر کر ضرورت سے زیادہ گیس ذخیرہ نہ کریں۔ وزارت کے مطابق آئندہ چند دنوں میں گیس کی فراہمی مکمل طور پر بحال کر دی جائے گی۔ سرہا کے اسسٹنٹ چیف ڈسٹرکٹ آفیسر نے سخت انتباہ جاری کیا ہے کہ بلیک مارکیٹنگ اور گیس کی ناجائز ذخیرہ اندوزی میں ملوث عناصر کے خلاف قانونی کارروائی کی جائے گی اور مارکیٹ کی نگرانی تیز کر دی گئی ہے

نیپال: سنسری سمیت مدھیش خطے کے تمام اضلاع سے کرفیو مکمل طور پر ختم

احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
مدھیش پردیش

نیپال کے کچھ اضلاع میں فرقہ وارانہ فسادات کے بعد نافذ کرفیو آج سے مکمل طور پر ہٹا لیا گیا ہے جس کی وجہ سے اب فسادات سے متاثرہ علاقوں میں معمولات زندگی بحال ہو گئے ہیں۔ سنسری ضلع میں دھنوشہ اور سرہا ضلع میں ایک نوجوان کی ہلاکت کے بعد جمعرات سے ہی اس علاقے میں کشیدہ صورتحال تھی۔ وزیر داخلہ سودن گرونگ اور متاثرین کے اہل خانہ کے درمیان جمعہ کو تحریری معاہدہ طے پانے کے بعد حالات معمول پر آنا شروع ہوئے حالانکہ پیر کی صبح تک تمام اضلاع سے کرفیو مکمل طور پر ہٹا لیا گیا ہے۔ محکمہ داخلہ نے کہا کہ مقامی حکام کی طرف سے دھنوشا، سرہا اور سپتری کے کچھ حصوں میں نافذ کرفیو کو ہٹا دیا گیا ہے۔ پبلک ٹرانسپورٹ دوبارہ شروع ہو گئی ہے اور متاثرہ علاقوں میں بازار دوبارہ کھل گئے ہیں۔ مقامی لوگوں نے بتایا کہ ٹرانسپورٹ خدمات بحال کر دی گئی ہیں اور روزمرہ کی زندگی آہستہ آہستہ معمول پر آ رہی ہے۔ متعلقہ ضلع انتظامیہ نے عوام سے افواہوں کو نظر انداز کرنے اور سماجی ہم آہنگی کو برقرار رکھنے اپیل کی ہے۔

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

ہفت روزہ
نیپال اُردو ٹائمز
Weekly The
NEPAL URDU TIMES
Reg.No: 5310 -2082/2083 - www.nepalurdutimes.com
ہفت روزہ
نیپال اُردو ٹائمز

ہندو سمراٹ سینا جیسے گروہوں سے مذاکرات بند کر کے ان پر پابندی لگائی جائے: ہرکاراج رائے

احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
کاٹھمانڈو

شرم سنسکرتی پارٹی کے چیئرمین اور رکنِ پارلیمنٹ ہرکاراج رائے (ہرکا سامپانگ) نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ ہندو سمراٹ سینا اور اسی نظریے کے حامل دیگر گروہوں سے ہر قسم کے مذاکرات فوری طور پر بند کرے اور ان پر پابندی عائد کرے۔ ہرکاراج رائے نے واضح کیا کہ ایک خود مختار ملک کے اندر صرف ایک ہی سرکاری فوج ہو سکتی ہے، اور وہ (نیپالی فوج) ہے۔ اس کے علاوہ کسی بھی دوسری تنظیم کو اپنے نام کے ساتھ 'سینا' لکھنے یا متوازی فوج کی طرح کام کرنے کی اجازت نہیں دی جانی چاہیے۔ ہرکاراج رائے نے منگل کو جاری کردہ بیان میں کہا کہ مدھیش پردیش میں پیش آنے والے واقعات "انسانی اور آئینی اقدار پر براہ راست حملہ" ہیں۔ انہوں نے حکومت سے فوری اقدامات کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا: ۱: ہندو

سمراٹ سینا سمیت تمام شدت پسند گروہوں سے مذاکرات بند کیے جائیں اور ان پر پابندی لگائی جائے۔ ۲: واقعے میں ملوث افراد کی شناخت کر کے ۲۷ گھنٹے کے اندر گرفتار کر کے عدالت میں پیش کیا جائے۔ ۳: متاثرہ خاندانوں کو فوری مالی معاوضہ دیا جائے اور جلے ہوئے گھروں کی تعمیر نو حکومت کرے۔ ۴: واقعے کی تحقیقات کے لیے عدالتی کمیشن تشکیل دیا جائے۔ ہرکاراج رائے نے کہا "نیپال ایک سیکولر جمہوری ملک ہے۔ آئین ہر شہری کو مذہبی آزادی اور تحفظ کی ضمانت دیتا ہے۔ اگر حکومت نے ابھی ایکشن نہیں لیا تو کل یہ آگ پورے ملک میں پھیل جائے گی۔ انہوں نے حکومت کی اس وضاحت کا بھی ذکر کیا جس میں کہا گیا تھا کہ وزیر داخلہ کی ملاقاتیں صرف "مؤقف سننے" کے لیے تھیں۔ اس پر ردعمل دیتے ہوئے انہوں نے کہا "اگر حکومت غیر جانبدار ہے تو اسے عمل سے ثابت کرنا ہوگا۔ ملزمان سے بات چیت کا مطلب ہے تشدد کو جواز دینا۔ مذاکرات صرف قانون ماننے والوں سے ہوتے ہیں۔ جو قانون توڑیں، ان کے لیے صرف قانون ہے۔ انہوں نے کہا آج ہمیں متحد ہو کر یہ پیغام دینا ہوگا کہ نیپال میں نفرت اور تشدد کی کوئی جگہ نہیں۔ امن ہی ہمارا مستقبل ہے

اساتذہ و ملازمین کے حقوق کی مضبوط آواز: الحاج دیوان زماں خاں صاحب کی بے مثال جدوجہد

(مولانا) فیاض احمد مصباحی

کسی بھی قوم یا ادارے کی بقا اس کے مخلص، باکردار اور دور اندیش رہنماؤں کی مرہونِ منت ہوتی ہے۔ ایسے ہی افراد وقت کے نازک ترین مراحل میں اپنی بصیرت، استقامت اور بے لوث خدمات کے ذریعے تاریخ رقم کرتے ہیں۔ مدارسِ عربیہ اتر پردیش کے اساتذہ و ملازمین کے لیے اگر آج کسی ایک شخصیت کا نام نمایاں طور پر لیا جائے تو وہ الحاج دیوان زماں خاں صاحب ہیں، جنہوں نے ہمیشہ اپنی باریک نظری، دور اندیشی اور بے مثال جرأت کے ساتھ اساتذہ کے حقوق اور ان کی ملازمت کے تحفظ کی جنگ لڑی ہے۔

حال ہی میں کامل و فاضل سے تقرری پانے والے اساتذہ کے قانونی جواز سے متعلق معزز ہائی کورٹ میں جو اہم کامیابی حاصل ہوئی ہے، وہ محض ایک عدالتی فیصلہ نہیں بلکہ برسوں کی محنت، مستقل مزاجی اور خلوصِ نیت کا ثمرہ ہے۔ یہ کامیابی ان بے شمار کامیابیوں کی فہرست میں ایک اور روشن ستارہ ہے جنہیں دیوان زماں خاں صاحب نے اپنی جدوجہد سے اساتذہ کے حق میں حاصل کیا ہے۔

یہ حقیقت کسی سے پوشیدہ نہیں کہ جب بھی مدارس اور اساتذہ پر کوئی قانونی یا انتظامی بحران آیا، الحاج دیوان زماں خاں صاحب سب سے آگے کھڑے نظر آئے۔ کبھی سرکاری دفاتر کے چکر، کبھی متعلقہ حکام سے ملاقاتیں، کبھی وکلاء سے مشاورت اور کبھی عدالتوں میں مسلسل پیروی——یہ سب ان کی روزمرہ کی جدوجہد کا حصہ رہا ہے۔ ہائی کورٹ سے لے کر سپریم کورٹ تک مسلسل مقدمات کی نگرانی کرنا، اس عمر میں بار بار سفر کرنا اور ہر ممکن

الحاج دیوان زماں خاں صاحب

کوشش کرنا معمولی بات نہیں، بلکہ یہ اس مشن سے سچی وابستگی کی علامت ہے جسے انہوں نے اپنی زندگی کا مقصد بنالیا ہے۔

آج کامل و فاضل سے تقرری حاصل کرنے والے بے شمار اساتذہ یقیناً سکون کی سانس لے رہے ہوں گے۔ ان کے گھروں کی خوشیاں، ان کے بچوں کا مستقبل اور ان کی عزت و وقار کے تحفظ میں اگر کسی کی محنت شامل ہے تو اس میں الحاج دیوان زماں خاں صاحب کی شبانہ روز کاوشیں نمایاں ہیں۔ ان کی خدمات کا اعتراف کرنا صرف اخلاقی ذمہ داری ہی نہیں بلکہ حق شناسی کا تقاضا بھی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جتنی تعریف کی جائے کم ہے، اور ان کی بے لوث محنتوں کو دل کی گہرائیوں سے سلام پیش کرنا چاہیے۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ اتنی نمایاں کامیابیوں اور مسلسل خدمات کے باوجود ابھی بھی بہت سے مدارس اور اساتذہ ٹیچرس ایسوسی ایشن مدارس عربیہ کی افادیت اور اس کی جدوجہد کی صحیح قدر نہیں کر پا رہے ہیں۔ بعض لوگ اس وقت تک خاموش رہتے ہیں جب تک خود کسی مشکل میں مبتلا نہ ہو جائیں، لیکن جب بحران آتا ہے تو سب سے پہلے اسی تنظیم اور اس کے قائدین کی طرف امید بھری نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔

آج کا وقت اس بات کا متقاضی ہے کہ ذاتی اختلافات، علاقائی تعصبات اور غیر ضروری تقسیم سے بالاتر ہو کر اس پلیٹ فارم کو مضبوط بنایا جائے جو عملی طور پر اساتذہ و ملازمین کے حقوق کی حفاظت کے لیے میدان میں موجود ہے۔ تنظیمیں صرف نعروں سے مضبوط نہیں ہوتیں بلکہ اپنے اراکین کی شرکت، تعاون اور اعتماد سے قوت حاصل کرتی ہیں۔

اگر ہم چاہتے ہیں کہ آئندہ بھی ہمارے حقوق محفوظ رہیں، غیر قانونی اقدامات کے خلاف مضبوط آواز بلند ہو، اور ہر مشکل گھڑی میں ہمارے ساتھ کوئی مؤثر نمائندگی کرے، تو ہمیں اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کرنا ہوگا اور ٹیچرس ایسوسی ایشن مدارس عربیہ کے بینر کو مزید مضبوط بنانا ہوگا۔ یہی وہ پلیٹ فارم ہے جو ضرورت پڑنے پر دفتر سے عدالت تک، اور ہائی کورٹ سے سپریم کورٹ تک اساتذہ کی نمائندگی کرنے کا حوصلہ رکھتا ہے۔

آیئے! ہم سب اس جدوجہد کا حصہ بنیں، اپنے قائدین کی قربانیوں کی قدر کریں اور ان کا حوصلہ بڑھائیں۔ اتحاد ہی ہماری اصل طاقت ہے، اور منظم قوت ہی ہمارے حقوق کی ضامن بن سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ الحاج دیوان زماں خاں صاحب کو صحت، عافیت، درازئ عمر اور مزید حوصلہ عطا فرمائے، اور انہیں اسی اخلاص کے ساتھ اساتذہ و ملازمین کی خدمت کی توفیق عطا فرماتا رہے۔ آمین۔

(مولانا) فیاض احمد مصباحی
بلرامپور

حکومت کی غیر ذمہ داری سے سنسری واقعہ پھیلا: رنجیت کرنا

احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
مدھیش پردیش

نیپالی کانگریس کے رہنما رنجیت کرنا سنسری واقعے کو حکومت کی غیر ذمہ داری اور لاپرواہی کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ بروقت اقدامات نہ ہونے کی وجہ سے ایک چھوٹا مسئلہ بڑے واقعے میں تبدیل ہو گیا۔ بدھ کو کاٹھمانڈو میں میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے رنجیت کرنا نے کہا: سنسری میں جو کچھ ہوا وہ

قدرت کا کھیل نہیں۔ یہ حکومت کی نااہلی ہے۔ مقامی لوگوں نے کئی دن پہلے انتظامیہ کو خبردار کیا تھا لیکن حکومت سوتی رہی۔ آج عوام بھگت رہے ہیں۔ انہوں نے سوال اٹھایا کہ ضلعی انتظامیہ اور متعلقہ ادارے وقت پر کیوں نہیں پہنچے۔ اگر بروقت رسپانس ہوتا تو جان و مال کا نقصان کم ہوتا۔ حکومت کی بے حسی نے آگ میں گھی کا کام کیا۔ رنجیت کرنا نے حکومت سے مطالبہ کیا: ۱: متاثرہ خاندانوں کو فوری مالی امداد، راشن اور عارضی رہائش فراہم کی جائے۔ ۲: نقصانات کا منصفانہ تخمینہ لگا کر ۱۵ دن کے اندر معاوضہ دیا جائے۔ ۳: لاپرواہی کے ذمہ دار افسران اور اہلکاروں کے خلاف محکمانہ اور قانونی کارروائی ہو۔ انہوں نے عوام سے پرامن رہنے کی اپیل کرتے ہوئے کہا ہمیں غصے میں کوئی ایسا قدم نہیں اٹھانا جس سے بھائی چارہ متاثر ہو۔ لیکن حکومت کو بھی اب سنجیدہ ہونا پڑے گا۔ رنجیت کرنا نے اعلان کیا کہ وہ ایک وفد کے ساتھ جلد سنساری کا دورہ کریں گے۔ متاثرین سے ملاقات کر کے ان کے مسائل پارلیمنٹ اور متعلقہ فورم پر اٹھائیں گے۔ حکومت نے آنکھیں بند کر لیں۔ نتیجہ سب کے سامنے ہے۔ اب بھی وقت ہے، ہوش کے ناخن لیں ورنہ عوام کا غصہ بڑھے گا۔

الزام تراشی چھوڑیں، رواداری برقرار رکھنے پر توجہ دیں: روی لامیچھانے

احمد رضا ابن عبد الادر اویسی
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
کاٹھمانڈو

راشٹریہ سوتنتر پارٹی کے صدر "روی لامیچھانے" نے کہا ہے کہ ملک اس وقت جس سیاسی کشیدگی سے گزر رہا ہے اس میں الزام تراشی سے بچ کر رواداری اور مکالمے کو فروغ دینا ہوگا۔ انہوں نے تمام سیاسی جماعتوں سے تحمل کا مظاہرہ کرنے کی اپیل کی۔ روی لامیچھانے نے کہا کہ گزشتہ کچھ ہفتوں سے سیاسی بیانات میں تلخی بڑھ گئی ہے۔ ہر مسئلے پر ایک دوسرے کو موردِ الزام ٹھہرانے سے عوام کے مسائل حل نہیں ہوں گے۔ لوگ مہنگائی، بے روزگاری اور بدحالی سے پریشان ہیں اور ہم ٹی وی پر ایک دوسرے کو گالیاں دے رہے ہیں۔ یہ عوام کے ساتھ ناانصافی ہے۔ انہوں نے کہا کہ سوشل میڈیا اور عوامی فورمز پر نفرت اور تقسیم کا بیانیہ تیزی سے بڑھ رہا ہے جو ملک کے سماجی تانے بانے کے لیے خطرناک ہے۔

"اختلاف رائے جمہوریت کی جان ہے لیکن اس کا مطلب دشمنی نہیں۔ ہمیں اختلاف کے باوجود ایک دوسرے کی عزت کرنا سیکھنا ہوگا۔ روی لامیچھانے نے کہا کہ حکومت کو تنقید برداشت کرنے کا حوصلہ رکھنا چاہیے اور اپوزیشن کو بھی تعمیری کردار ادا کرنا چاہیے۔ صرف شور مچانے سے حکومت نہیں گرتی اور صرف دفاع کرنے سے مسائل حل نہیں ہوتے۔ دونوں فریقوں کو عوام کے مفاد میں سوچنا ہوگا۔ انہوں نے زور دیا کہ سیاسی قیادت کو روزمرہ کے مسائل پر توجہ دینی چاہیے۔ عوام روٹی، روزگار اور امن چاہتے ہیں۔ ہمیں ان کی بات کرنی چاہیے نہ کہ ذاتی حملے کرنے چاہییں۔

روی لامیچھانے نے نوجوانوں سے بھی اپیل کی کہ وہ سوشل میڈیا پر نفرت پھیلانے کے بجائے تعمیر اور مکالمے کا حصہ بنیں۔ اگر آج ہم نے رواداری کا راستہ نہ اپنایا تو کل اس کی قیمت پوری قوم کو چکانی پڑے گی۔ آئیں، الزام تراشی بند کریں اور ملک بنائیں

منقبت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ

ہے رتبہ اس قدر اعلیٰ امام احمد رضا خاں کا
زمانہ پڑھتا ہے خطبہ امام احمد رضا خاں کا
وہ اپنے وقت کے بے شک امامِ بوحنیفہ تھے
کوئی ثانی نہیں ملتا امام احمد رضا خاں کا
بشکلِ کنزِ ایماں اور فتاویٰ رضویہ ہم نے
ہے پایا دل نشیں تحفہ امام احمد رضا خاں کا
نبی کا عشق ہر لمحہ بسانے کے لیے دل میں
"ہمیں درکار ہے صدقہ امام احمد رضا خاں کا"
بریلی شہر میں جاری رہے گا روزِ محشر تک
عطا وجود کا چشمہ امام احمد رضا خاں کا
حضورِ رب انھیں اپنا وسیلہ خود کریں مرشد
اسی سے جانیے رتبہ امام احمد رضا خاں کا
کوئی صدر الشریعہ ہے، کوئی برہانِ ملت ہے
درخشندہ ہے ہر تارا امام احمد رضا خاں کا
بپا کرنے کی خاطر زلزلہ ہر قصرِ باطل میں
غضب کا قہر تھا خامہ امام احمد رضا خاں کا
ہے کنزِ مصلحی پر فیض ان کا ہو گیا جاری
رقم کرتا ہے یہ نغمہ امام احمد رضا خاں کا

محمد نعیم الدین قادری کنز مصلحی

نیپال کے مسلمانوں کو اتحاد کی اشد ضرورت؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دنیا کی تاریخ گواہ ہے کہ جن قوموں نے اجتماعیت، نظم اور باہمی اعتماد کو اپنا شعار بنایا، وہ محدود وسائل کے باوجود ترقی کی منزلیں طے کرتی رہیں، اور جو قومیں اختلاف، گروہ بندی اور باہمی کشمکش کا شکار ہوئیں، وہ اپنی صلاحیتوں کے باوجود کمزور ہوتی چلی گئیں۔

آج نیپال کے مسلمانوں کو بھی اسی حقیقت کا سامنا ہے۔ الحمد للہ ہمارے پاس مساجد ہیں، مدارس ہیں، علماء، حفاظ، ائمہ، خطباء، فضلاء اور تعلیم یافتہ نوجوان موجود ہیں، لیکن ایک بنیادی سوال آج بھی ہمارے سامنے کھڑا ہے: کیا ہم اپنے مشترکہ دینی، ملی اور آئینی مسائل میں ایک پلیٹ فارم پر متحد ہیں؟

یہ حقیقت کسی سے پوشیدہ نہیں کہ جب بھی مسلمانوں کو کسی اجتماعی مسئلے کا سامنا ہوتا ہے تو مختلف ادارے، جماعتیں اور علاقے اپنی اپنی سطح پر کوشش کرتے ہیں، لیکن ایک منظم اور مشترکہ اجتماعی حکمتِ عملی کا فقدان نمایاں محسوس ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری اجتماعی آواز وہ اثر پیدا نہیں کر پاتی جو ایک متحد قوم کی آواز پیدا کرتی ہے۔

یہ مضمون کسی جماعت، تنظیم یا شخصیت پر تنقید نہیں، بلکہ پوری ملت کے لیے ایک مخلصانہ دعوت ہے کہ ہم اپنی اجتماعی ذمہ داریوں پر سنجیدگی سے غور کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا﴾

ترجمۂ کنز الایمان:

"اور اللہ کی رسی مضبوط تھام لو سب مل کر اور آپس میں پھٹ نہ جاؤ۔"

یہ آیت صرف ایک اخلاقی نصیحت نہیں بلکہ امتِ مسلمہ کو ایک واضح حکم دیتی ہے کہ وہ اللہ کے دین کو مضبوطی سے تھامے اور باہمی تفرقے سے بچے۔ اختلافِ رائے ہر دور میں رہا ہے، لیکن اختلاف کو نفرت، دوری اور انتشار کا سبب بنانا اسلام کی تعلیم نہیں۔

رسولِ اکرم ﷺ نے اپنی دعوت کا آغاز صرف افراد کی اصلاح سے نہیں کیا بلکہ ایک ایسی جماعت تیار فرمائی جس کی بنیاد ایمان، اخلاص، صبر اور باہمی اعتماد پر تھی۔ مکہ مکرمہ میں دارِ ارقم صرف تعلیم کا مرکز نہیں تھا بلکہ وہ مسلمانوں کی فکری، روحانی اور اجتماعی تربیت کا پہلا ادارہ تھا، جہاں ایمان کے ساتھ اجتماعیت کا شعور بھی پروان چڑھا۔

اس کے بعد جب مسلمانوں پر ظلم و ستم کی انتہا ہوئی اور انہیں شعبِ ابی طالب میں محصور کر دیا گیا تو تین سال کی شدید آزمائش کے باوجود وہ اپنے نبی کریم ﷺ کی قیادت میں متحد رہے۔ بھوک، پیاس، معاشی بائیکاٹ اور بے شمار تکالیف بھی ان کے اتحاد کو متزلزل نہ کر سکیں۔ یہی وہ ایمان اور اجتماعیت تھی جس نے اسلام کو نئی قوت عطا کی۔

ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ نے ایک ایسے معاشرے کی بنیاد رکھی جس کی اساس اخوت، مشاورت اور باہمی تعاون تھی۔ مواخاتِ مدینہ نے یہ ثابت کر دیا کہ اسلام میں زبان، نسل، قبیلہ اور علاقہ اصل بنیاد نہیں، بلکہ ایمان کا رشتہ سب سے مضبوط رشتہ ہے۔ اسی طرح مسجدِ نبوی کو صرف عبادت گاہ نہیں بلکہ تعلیم، مشاورت، رہنمائی اور اجتماعی فیصلوں کا مرکز بنایا گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مضبوط امت صرف افراد سے نہیں بلکہ منظم اداروں اور متحد قیادت سے وجود میں آتی ہے۔

آج نیپال کے مسلمانوں کو بھی انہی اصولوں کو سامنے رکھنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں اپنے مدارس، مساجد، دینی اداروں، سماجی تنظیموں اور اہلِ علم کے درمیان اعتماد، رابطے اور مشاورت کو فروغ دینا ہوگا، تاکہ مشترکہ دینی، ملی اور آئینی مسائل میں ہماری آواز منظم، مؤثر اور باوقار انداز میں حکومت اور متعلقہ اداروں تک پہنچ سکے۔

اگر ہم سیرتِ نبوی ﷺ سے یہ سبق سیکھ لیں کہ امت کی اصل قوت اتحاد، نظم اور اخلاص میں ہے، تو یقیناً ہمارے لیے ترقی اور استحکام کے نئے راستے کھل سکتے ہیں۔

اسلام نے امت کو اتحاد، اجتماعیت، مشاورت اور باہمی تعاون کا درس دیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ان تعلیمات کی روشنی میں آج نیپال کے مسلمانوں کی ذمہ داری کیا ہے؟

رسول اللہ ﷺ کے وصالِ ظاہری کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو نہایت نازک حالات کا سامنا کرنا پڑا، لیکن انہوں نے امت کے اجتماعی مفاد کو ہر ذاتی رائے اور انفرادی خواہش پر مقدم رکھا۔ اجتہادی اختلافات کے باوجود ایک دوسرے کے احترام، خیر خواہی اور مشاورت کا دامن نہیں چھوڑا۔ یہی وہ طرزِ عمل تھا جس نے امت کو استحکام بخشا اور اسلام کا پیغام دنیا کے کونے کونے تک پہنچایا۔ آج نیپال کے مسلمانوں کو بھی اسی بصیرت کی ضرورت ہے۔ ہمارے ادارے الگ ہو سکتے ہیں، جماعتیں مختلف ہو سکتی ہیں اور رائے میں فرق بھی ہو سکتا ہے، لیکن جب دین، ملت، تعلیم، آئینی حقوق اور اجتماعی مفادات کا معاملہ ہو تو ہمیں اپنے تمام اختلافات سے اوپر اٹھ کر ایک مشترکہ موقف اختیار کرنا چاہیے۔ اتحاد کا مطلب یہ نہیں کہ سب ایک جماعت یا ایک فکر کے ہو جائیں، بلکہ یہ ہے کہ مشترکہ مسائل میں سب ایک آواز بن جائیں۔

سب سے پہلی ذمہ داری علمائے کرام کی ہے۔ وہ انبیائے کرام علیہم السلام کے وارث ہیں۔ ان کے خطبات، دروس اور فتاویٰ میں امت کو جوڑنے، حسنِ اخلاق، تحمل اور اجتماعیت کا پیغام نمایاں ہونا چاہیے۔ اختلافات کو ہوا دینے کے بجائے انہیں امت کی اصلاح اور اتحاد کی راہ ہموار کرنی چاہیے۔

فضلائے مدارس اور دینی تعلیم یافتہ طبقہ ملت کا علمی سرمایہ ہیں۔ انہیں چاہیے کہ اپنی صلاحیتوں کو غیر ضروری مباحث میں ضائع کرنے کے بجائے تعلیم، تحقیق، دعوت اور ملت کی خدمت میں صرف کریں، اور نئی نسل کی صحیح دینی و فکری رہنمائی کریں۔

ائمہ و خطباء اپنی مساجد کو صرف عبادت کا مرکز نہ سمجھیں بلکہ اصلاحِ معاشرہ، اخلاقی تربیت اور ملی شعور کی بیداری کا ذریعہ بھی بنائیں۔ اگر ہر مسجد اتحاد، محبت اور اخوت کا پیغام دے تو اس کے اثرات پورے معاشرے پر مرتب ہوں گے۔

نوجوان کسی بھی قوم کا سرمایہ ہوتے ہیں۔ آج نیپال کے مسلمان نوجوانوں کو چاہیے کہ وہ علم، کردار، نظم، دیانت اور خدمت کو اپنا شعار بنائیں۔ سوشل میڈیا کی بے مقصد بحثوں اور باہمی کشمکش سے نکل کر تعلیم، دعوت، سماجی خدمت اور ملت کی ترقی کے میدان میں اپنی صلاحیتیں استعمال کریں۔

سماجی اور سیاسی قائدین پر بھی بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ انہیں ذاتی یا جماعتی مفادات سے بلند ہو کر پوری ملت کی نمائندگی کرنی چاہیے۔ کامیاب قیادت وہی ہے جو لوگوں کو تقسیم نہیں بلکہ متحد کرے، اور ملت کے اجتماعی مسائل کو حکمت اور بصیرت کے ساتھ متعلقہ اداروں تک پہنچائے۔

عوامِ مسلمین کو بھی اپنا کردار ادا کرنا ہوگا۔ اتحاد صرف قائدین یا علماء کی ذمہ داری نہیں بلکہ ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے۔ اگر ہر شخص تعصب، افواہوں، بدگمانی اور باہمی نفرت سے بچے، ایک دوسرے کی عزت کرے اور خیر کے کاموں میں تعاون کرے تو اتحاد کی مضبوط بنیاد قائم ہو سکتی ہے۔

آج وقت کا سب سے بڑا تقاضا یہ ہے کہ ہم ایک دوسرے کو کمزور کرنے کے بجائے ایک دوسرے کی قوت بنیں۔ اگر کسی کے پاس علم ہے تو وہ علم سے خدمت کرے، اگر صلاحیت ہے تو صلاحیت سے، اگر مال ہے تو مال سے، اور اگر اثر و رسوخ ہے تو اسے ملت کی بھلائی کے لیے استعمال کرے۔ یہی زندہ قوموں کا شیوہ ہے۔

یاد رکھیے! کامیابی کبھی انفرادی کوششوں سے حاصل نہیں ہوتی، بلکہ منظم اجتماعی جدوجہد، اخلاص، باہمی اعتماد اور مشترکہ مقصد سے حاصل ہوتی ہے۔ منتشر افراد وقتی کامیابیاں حاصل کر سکتے ہیں، مگر تاریخ کا رخ ہمیشہ متحد قومیں بدلتی ہیں۔

آیئے! ہم سب یہ عہد کریں کہ اپنے دین، اپنے وطن نیپال، اپنی ملت اور اپنی آنے والی نسلوں کے روشن مستقبل کے لیے اتحاد، اخوت، نظم و ضبط اور باہمی تعاون کو اپنی اجتماعی زندگی کا شعار بنائیں گے، اور ہر اس کام میں اپنا کردار ادا کریں گے جو ملت کی عزت، ترقی اور استحکام کا ذریعہ بنے۔

اللہ تعالیٰ نیپال کے تمام مسلمانوں کے دلوں میں محبت، اخلاص، حکمت، اتحاد اور خدمتِ دین و ملت کا جذبہ پیدا فرمائے، ہمیں باہمی اختلافات سے محفوظ رکھے، اور ایسے فیصلے کرنے کی توفیق عطا فرمائے جو دنیا و آخرت میں ہماری کامیابی، عزت اور سرخروئی کا سبب بنیں۔ وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

از قلم: محمد مجیب قادری حنفی العربی
خادم دار الافتاء البرکاتی، علماء فاؤنڈیشن، لہان-۱۸، ضلع سرہا، نیپال

وقت تحریر: ۲ بج کر ۱۱ منٹ شب

نفرت کے شعلوں میں جھلستا نیپال

از قلم: ڈاکٹر سید تابش امام

ہمالیہ کی برف پوش چوٹیوں کے دامن میں آباد نیپال کو طویل عرصے تک مذہبی رواداری، تہذیبی تنوع اور بقائے باہمی کی ایک روشن مثال کے طور پر پیش کیا جاتا رہا ہے۔ دنیا کی واحد ہندو ریاست کی حیثیت سے پہچانے جانے والے اس ملک نے ۲۰۰۷ء میں سیکولر ریاست کا اعلان کیا اور ۲۰۱۵ء کے آئین کے ذریعے مذہبی آزادی، مساوی شہریت اور بنیادی حقوق کو آئینی تحفظ فراہم کیا۔ اس آئینی پیش رفت سے یہ امید بندھی تھی کہ مذہبی شناخت کے بجائے آئین، قانون اور جمہوری اقدار ہی قومی وحدت کی بنیاد بنیں گی، مگر حالیہ فرقہ وارانہ کشیدگی نے اس امید کو سخت امتحان سے دوچار کر دیا۔

یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ کسی بھی ملک میں صرف آئین کا وجود امن کی ضمانت نہیں بن سکتا۔ جب سیاسی مفادات مذہبی جذبات سے وابستہ ہونے لگیں، افواہیں حقائق پر غالب آجائیں اور سوشل میڈیا اشتعال انگیزی کا مؤثر ذریعہ بن جائے تو مضبوط سے مضبوط آئینی ڈھانچہ بھی آزمائش میں پڑ جاتا ہے۔ نیپال کے حالیہ واقعات اسی تلخ حقیقت کی ایک نمایاں مثال ہیں۔

ایک مذہبی جلوس کے دوران پیدا ہونے والی کشیدگی نے دیکھتے ہی دیکھتے تشدد کی شکل اختیار کر لی۔ واقعات کی تفصیلات کے بارے میں مختلف ذرائع متضاد دعوے کر رہے ہیں، اس لیے کسی بھی حتمی رائے سے قبل غیر جانب دارانہ اور شفاف تحقیقات ناگزیر ہیں۔ تاہم اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ جب قانون کو ہاتھ میں لیاج ائے، مذہبی جذبات کو بھڑکایا جائے اور اشتعال انگیز نعروں کے ذریعے ہجوم کو مشتعل کیا جائے اور مزہبی عبادتگاہوں کو نشانہ بنایا جائے تو اس کا انجام صرف تباہی کی صورت میں نکلتا ہے۔ ایسے حالات میں نقصان کسی ایک طبقے کا نہیں بلکہ پورے معاشرے کا ہوتا ہے۔

نیپال کی مسلمان آبادی اگرچہ تعداد کے اعتبار سے محدود ہے، لیکن تجارت، صنعت، تعلیم، دستکاری اور سماجی خدمات کے میدان میں اس کی خدمات نمایاں رہی ہیں۔ دوسری جانب نیپال کی ہندو اکثریت نے بھی طویل عرصے تک مذہبی رواداری اور بقائے باہمی کی قابلِ قدر روایت کو برقرار رکھا ہے۔ اس لیے چند شر پسند عناصر کے طرزِ عمل کو پوری برادری کی فکر قرار دینا نہ صرف حقیقت کے منافی ہے بلکہ سماجی تقسیم کو مزید گہرا کرنے کے مترادف بھی ہے۔

دورِ حاضر کا ایک بڑا المیہ یہ ہے کہ ہر واقعہ اب صرف سڑکوں پر نہیں بلکہ موبائل فون کی اسکرین پر بھی برپا ہوتا ہے۔ چند سیکنڈ کی ایک ویڈیو، ادھوری خبر یا بے بنیاد افواہ ہزاروں بلکہ لاکھوں افراد کے جذبات کو مشتعل کر دیتی ہے۔ اور جب تک حقیقت سامنے آتی ہے، بہت دیر ہو چکی ہوتی ہے۔ اس دوران جلنے والے مکانات، ویران بازار، خوف زدہ خاندان اور باہمی اعتماد کا ٹوٹ جانا ایسے نقصانات ہیں جن کی تلافی برسوں میں بھی ممکن نہیں ہوتی۔

اسی لیے فرقہ وارانہ کشیدگی کو صرف امن و امان کا مسئلہ سمجھنا درست نہیں۔ یہ ریاستی نظم، سیاسی قیادت، ذرائع ابلاغ، مذہبی رہنماؤں اور پورے سماج کے اجتماعی کردار کا بھی امتحان ہوتی ہے۔ اگر حکومت بروقت، غیر جانب دار اور مؤثر کارروائی کرے، میڈیا تصدیق کے بغیر سنسنی نہ پھیلائے اور مذہبی و سماجی قیادت تحمل، بردباری اور قانون کی پاسداری کا پیغام دے تو بہت سے سانحات پیش آنے سے قبل ہی روکے جاسکتے ہیں۔

فرقہ وارانہ تصادم کا سب سے سنگین پہلو یہ ہے کہ اس کی آگ صرف جان و مال کو نقصان نہیں پہنچاتی بلکہ دلوں میں بداعتمادی کے ایسے زخم چھوڑ جاتی ہے جو آسانی سے مندمل نہیں ہوتے۔ جو لوگ کل تک ایک دوسرے کے ساتھ کاروبار کرتے تھے، ایک دوسرے کی خوشیوں اور غموں میں شریک ہوتے تھے، وہ اچانک ایک دوسرے کو شک کی نگاہ سے دیکھنے لگتے ہیں۔ نفرت کی سیاست دراصل اسی کیفیت سے اپنی طاقت حاصل کرتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ فرقہ وارانہ تشدد کے ہر واقعے کے بعد اہم سوال یہ نہیں ہونا چاہئے کہ پہلا پتھر کس نے پھینکا، بلکہ یہ ہونا چاہیے کہ حالات اس نہج تک کیوں پہنچے جہاں قانون کی گرفت کمزور اور ہجوم کا حوصلہ بلند ہو گیا۔ اگر ایک معمولی تنازع چند گھنٹوں میں خوف، تشدد اور بداعتمادی میں بدل جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ریاستی نظم، سیاسی قیادت اور سماجی شعور میں کہیں نہ کہیں ایسی

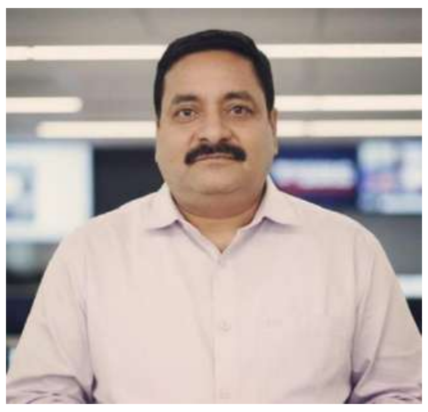

ڈاکٹر سید تابش امام

کمزوریاں موجود ہیں جنہیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ نیپال کا ۲۰۱۵ء کا آئین ہر شہری کو مذہبی آزادی، مساوی حقوق اور قانون کے یکساں تحفظ کی ضمانت دیتا ہے۔ یہی کسی بھی جمہوری ریاست کی اصل بنیاد ہے۔ اس لیے اگر کسی بھی مذہبی یا نسلی گروہ کو تشدد، دھمکی یا امتیازی سلوک کا سامنا کرنا پڑے تو یہ صرف

ایک برادری کا مسئلہ نہیں رہتا بلکہ آئین کی بالادستی کا سوال بن جاتا ہے

۔ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ متاثرہ فریق کی مذہبی شناخت سے قطع نظر قانون کے مطابق کارروائی کرے، شفاف تحقیقات کو یقینی بنائے اور انصاف کو ہر حال میں غالب رکھے۔ انصاف کی بنیاد مذہب، نسل یا سیاسی وابستگی نہیں بلکہ جرم اور ثبوت ہونے چاہییں۔ جمہوری معاشروں میں اختلافِ رائے ایک فطری حقیقت ہے، لیکن اختلاف کو تصادم میں تبدیل ہونے سے روکنا ریاستی اداروں کی بنیادی ذمہ داری ہے۔ قانون اسی لیے وجود میں آتا ہے کہ کوئی فرد یا گروہ خود کو قانون سے بالاتر نہ سمجھے۔ جب ہجوم قانون کی جگہ لینے لگے، جذبات عقل و استدلال پر غالب آ جائیں اور مذہبی شناخت قانون شکنی کی ڈھال بن جائے تو ریاست کی عمل داری کمزور پڑنے لگتی ہے، معاشرتی توازن بکھر جاتا ہے اور انصاف پر عوام کا اعتماد متزلزل ہونے لگتا ہے۔

اس پورے منظرنامے میں ذرائع ابلاغ کا کردار بھی غیر معمولی اہمیت اختیار کر جاتا ہے۔ صحافت اگر تحقیق، توازن اور دیانت داری کے اصولوں پر قائم رہے تو وہ بحران کے دوران بھی اعتماد کی فضا قائم رکھ سکتی ہے، لیکن اگر خبر کی صحت پر رفتار کو ترجیح دی جائے، غیر مصدقہ ویڈیوز اور اشتعال انگیز مواد کو بلا تحقیق نشر کیا جائے تو میڈیا خود بھی مسئلے کا حصہ بن جاتا ہے۔ ڈیجیٹل دور نے معلومات کی ترسیل کو تیز ضرور بنایا ہے، مگر جھوٹ، افواہوں اور نفرت انگیز مہمات کی رفتار بھی اسی تناسب سے بڑھ گئی ہے۔ ایسے حالات میں ذمہ دار، متوازن اور تحقیق پر مبنی صحافت محض ایک پیشہ نہیں بلکہ معاشرتی ذمہ داری بن جاتی ہے۔

مذہبی قائدین کی ذمہ داری بھی کم نہیں۔ ہر مذہب امن، انصاف، رواداری اور انسانی احترام کی تعلیم دیتا ہے۔ اگر مذہبی اجتماعات اور عبادت گاہوں سے برداشت، مکالمے اور قانون کی پاسداری کا پیغام دیا جائے تو بہت سی کشیدگیاں ابتدا ہی میں ختم ہو سکتی ہیں۔ اس کے برعکس نفرت انگیز زبان اور اشتعال پر مبنی خطابات وقتی جوش تو پیدا کر سکتے ہیں، لیکن ان کے اثرات معاشرے میں طویل عرصے تک باقی رہتے ہیں۔

جنوبی ایشیا کی تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی مذہبی جذبات کو سیاسی مفادات کے لیے استعمال کیا گیا، اس کا خمیازہ پورے معاشرے نے بھگتا۔ فسادات ختم ہو جاتے ہیں، مگر ان کے چھوڑے ہوئے زخم آسانی سے نہیں بھرتے۔ اعتماد ٹوٹ جائے تو اسے بحال کرنے میں برسوں لگ جاتے ہیں، جبکہ نفرت پھیلانے کے لیے چند لمحے ہی کافی ہوتے ہیں۔

تاریخ بار بار یہی سبق دہراتی ہے کہ نفرت وقتی فائدہ ضرور دے سکتی ہے، لیکن پائیدار امن کبھی نہیں۔

نیپال کے حالیہ واقعات بھی اسی وسیع تناظر میں دیکھے جانے چاہییں۔ ملک کی اصل طاقت اس کے بلند و بالا پہاڑ، سیاحتی مقامات یا قدرتی حسن میں نہیں بلکہ اس کی تہذیبی ہم آہنگی اور مذہبی تنوع میں پوشیدہ ہے۔ مختلف عقائد کے ماننے والوں نے صدیوں تک ایک دوسرے کے ساتھ رہ کر اس معاشرے کو استحکام بخشا ہے۔ اگر یہی سماجی ہم آہنگی کمزور پڑ جائے تو نقصان کسی ایک مذہبی طبقے کا نہیں بلکہ پورے نیپال کا ہو گا۔

ریاست کی ذمہ داری صرف حالات پر وقتی قابو پانے تک محدود نہیں ہونی چاہیے۔ اصل امتحان اس وقت شروع ہوتا ہے جب حالات معمول پر آجائیں۔ غیر جانب دارانہ تحقیقات، قصورواروں کا بلاامتیاز احتساب، متاثرین کی بازآبادکاری، نفرت انگیز تقاریر کے خلاف مؤثر کارروائی اور مختلف مذہبی طبقات کے درمیان اعتماد کی بحالی ایسے اقدامات ہیں جن کے بغیر پائیدار امن قائم نہیں ہو سکتا۔ اسی کے ساتھ تعلیمی اداروں، سماجی تنظیموں اور سول سوسائٹی کو بھی رواداری، آئینی شعور اور بین المذاہب احترام کے فروغ میں فعال کردار ادا کرنا ہو گا۔

اسلام کی تعلیمات بھی اسی اصول کی مؤید ہیں، جہاں عدل و انصاف کو ہر حال میں مقدم رکھا گیا ہے۔ قرآن مجید عدل و انصاف کو ہر حال میں قائم رکھنے کی ہدایت دیتا ہے اور کسی قوم یا گروہ سے اختلاف کو انصاف سے انحراف کا جواز نہیں بناتا۔ اسی طرح ایک بے گناہ انسان کی جان کے تحفظ کو پوری انسانیت کے تحفظ کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ یہی اصول جدید آئینی ریاستوں کی روح بھی ہیں، جہاں شہریوں کے حقوق کا تحفظ مذہبی وابستگی کے بجائے قانون اور ثبوت کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔

نیپال کی سیاسی قیادت کو بھی یہ حقیقت تسلیم کرنی ہو گی کہ مذہبی جذبات سے کھیل کر وقتی سیاسی فائدہ تو حاصل کیا جا سکتا ہے، لیکن اس کی قیمت قومی استحکام کو ادا کرنا پڑتی ہے۔ مضبوط ریاستیں تقسیم کی سیاست سے نہیں بلکہ مساوی شہریت، آئینی بالادستی اور قانون کی غیر جانب دارانہ عمل داری سے وجود میں آتی ہیں۔

نیپال کا موجودہ بحران پورے جنوبی ایشیا کے لیے ایک واضح پیغام رکھتا ہے۔ اگر سیاست نفرت کے بجائے انصاف، اور تقسیم کے بجائے مساوی شہریت کو اپنی بنیاد بنائے تو مختلف مذاہب اور ثقافتوں کے ماننے والے بھی ایک مضبوط، پرامن اور ترقی یافتہ معاشرہ تشکیل دے سکتے ہیں۔ یہی راستہ نیپال کے روشن مستقبل کی ضمانت بھی ہے اور پورے خطے کے لیے امید کا پیغام بھی۔

آخر میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ نفرت کے شعلے بظاہر بہت بلند دکھائی دیتے ہیں، لیکن ان کی عمر ہمیشہ مختصر ہوتی ہے، جبکہ ان کی تباہی دیرپا ہوتی ہے۔ اس کے برعکس انصاف، رواداری اور قانون کی بالادستی وہ اقدار ہیں جو قوموں کو استحکام اور عزت عطا کرتی ہیں۔

اگر نیپال اس بحران سے یہ سبق حاصل کر لیتا ہے کہ پائیدار امن کی بنیاد طاقت نہیں بلکہ انصاف، رواداری اور قانون کی بالادستی ہے تو یہ تلخ تجربہ اس کے مستقبل کو زیادہ مضبوط بنا سکتا ہے۔ بصورتِ دیگر نفرت کی آگ کسی ایک شہر، ایک برادری یا ایک نسل تک محدود نہیں رہے گی۔ تاریخ کا اٹل سبق یہی ہے کہ قومیں نفرت سے نہیں، انصاف سے مضبوط ہوتی ہیں؛ تعصب سے نہیں، رواداری سے ترقی کرتی ہیں؛ اور انتقام سے نہیں، انسانیت سے اپنا مستقبل محفوظ بناتی ہیں۔

رابطہ۔۔ ۹۹۳۴۹۳۳۹۹۲

اداریہ

Editorial

سنسری میں ہوئے فساد کا ذمہ دار کون؟!

ایڈیٹر کے قلم سے۔۔۔۔۔

نیپال دنیا کے ان چند ممالک میں شمار ہوتا ہے جہاں مختلف مذاہب، زبانوں اور ثقافتوں کے لوگ صدیوں سے ایک دوسرے کے ساتھ امن و آشتی کے ماحول میں زندگی بسر کرتے آئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نیپال کو مذہبی رواداری، باہمی احترام اور سماجی ہم آہنگی کی ایک مثال سمجھا جاتا رہا ہے۔ مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ گزشتہ چند برسوں سے ملک میں انتہاپسند سوچ رکھنے والے بعض عناصر کی سرگرمیوں نے اس روشن چہرے کو داغدار کرنا شروع کر دیا ہے۔ ضلع سنسری میں پیش آنے والے حالیہ المناک واقعات اسی خطرناک رجحان کی ایک دردناک مثال ہیں۔

سنسری میں رونما ہونے والے واقعات نے نیپال کے مسلمانوں کو شدید خوف و ہراس میں مبتلا کر دیا ہے۔ کئی دنوں تک کشیدگی کا ماحول قائم رہا، مسلمانوں کے گھروں اور دکانوں پر حملوں کی اطلاعات سامنے آئیں، متعدد کاروباری مراکز کو نذرِ آتش کیا گیا اور کروڑوں روپے مالیت کی املاک خاکستر ہو گئیں۔ کئی مسلمان خاندان اپنے گھروں میں محصور ہو کر رہ گئے، بچوں اور خواتین میں خوف کی کیفیت طاری رہی، جبکہ روزمرہ کی زندگی مفلوج ہو کر رہ گئی۔ یہ سوال آج ہر انصاف پسند شہری کے ذہن میں گردش کر رہا ہے کہ آخر نیپال کے مسلمانوں کا قصور کیا ہے؟ اگر واقعی چند انتہا پسند ہندو تنظیموں یا ان سے وابستہ عناصر نے قانون کو ہاتھ میں لے کر مسلمانوں کو نشانہ بنایا، تو یہ صرف ایک مذہبی اقلیت پر حملہ نہیں بلکہ نیپال کے آئین، جمہوریت اور قانون کی حکمرانی پر بھی حملہ ہے۔ کوئی بھی مہذب معاشرہ اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ کسی بھی فرد یا گروہ کو مذہب کی بنیاد پر ظلم و تشدد کا نشانہ بنایا جائے۔

نیپال کا مسلمان اس ملک کا اجنبی نہیں بلکہ اسی سرزمین کا وفادار شہری ہے۔ مسلمانوں نے ہمیشہ ملک کی تعمیر و ترقی، تعلیم، تجارت، زراعت اور سماجی خدمات میں مثبت کردار ادا کیا ہے۔ انہوں نے ہر مشکل گھڑی میں وطن کے ساتھ اپنی وفاداری کا ثبوت دیا ہے۔ اس کے باوجود اگر آج وہ خود کو غیر محفوظ محسوس کر رہے ہیں، تو یہ حکومت اور ریاستی اداروں کے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔ آج نیپال کے مسلمان خوف کے عالم میں یہ سوچنے پر مجبور ہیں کہ کیا ان کی جان و مال محفوظ ہے؟ کیا ان کے مذہبی حقوق کی حفاظت کی جائے گی؟ کیا ان کے بچوں کا مستقبل اسی ملک میں محفوظ ہے؟ جب کسی ملک کی ایک اقلیت ایسے سوالات کرنے لگے تو سمجھ لینا چاہیے کہ مسئلہ صرف ایک واقعہ نہیں بلکہ ریاستی اعتماد کا بحران پیدا ہو چکا ہے۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ بعض شدت پسند تنظیمیں مذہبی جذبات کو بھڑکا کر معاشرے میں نفرت پیدا کرنا چاہتی ہیں۔ اگر ان عناصر کو بروقت قانون کے دائرے میں نہ لایا گیا تو اس کے نتائج صرف مسلمانوں تک محدود نہیں رہیں گے بلکہ پورا ملک اس کی قیمت چکائے گا۔ نفرت کی آگ کبھی ایک گھر تک محدود نہیں رہتی بلکہ پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔

اس موقع پر حکومت نیپال، سکیورٹی اداروں اور عدلیہ کی ذمہ داری مزید بڑھ جاتی ہے۔ انہیں چاہیے کہ سنسری کے واقعات کی اعلیٰ سطحی، شفاف اور غیر جانبدارانہ تحقیقات کرائیں، تمام متاثرین کو انصاف فراہم کریں، نقصان کا ازالہ کریں اور جو بھی افراد یا گروہ قانون شکنی میں ملوث پائے جائیں، ان کے خلاف بلاامتیاز کارروائی کی جائے۔ انصاف صرف ہونا ہی کافی نہیں بلکہ ہوتا ہوا نظر بھی آنا چاہیے، تاکہ اقلیتوں کا ریاست پر اعتماد بحال ہو۔ اس کے ساتھ ہی ملک کے مذہبی قائدین، سیاسی جماعتوں، سول سوسائٹی، دانشوروں اور ذرائع ابلاغ کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اشتعال انگیزی کے بجائے امن، رواداری اور بھائی چارے کا پیغام دیں۔ نیپال کی اصل طاقت اس کی مذہبی ہم آہنگی اور قومی یکجہتی ہے، نہ کہ نفرت اور تقسیم۔

سوشل میڈیا کے دور میں مسلم نوجوانوں کو رہنمائی کی ضرورت

از قلم ڈاکٹر سلیم انصاری جھاپا نیپال

آج سوشل میڈیا ہماری زندگی کا ایک اہم حصہ بن چکا ہے۔ یہ علم حاصل کرنے، اپنے خیالات کے اظہار اور دوسروں کی مدد کرنے کا ایک مؤثر ذریعہ ہے، لیکن اگر اس کا ذمہ داری سے استعمال نہ کیا جائے تو یہی پلیٹ فارم نفرت، غلط فہمی اور سماجی تقسیم کا سبب بھی بن سکتا ہے۔

حال ہی میں ایک ہندو بھائی نے ایک ضرورت مند مریض کے لیے خون کی اپیل کی۔ یہ ایک خالص انسانی خدمت کا معاملہ تھا، لیکن اس پوسٹ کے نیچے بعض مسلم نوجوانوں کے ایسے تبصرے دیکھنے کو ملے جو اسلامی اخلاق اور انسانی اقدار کے مطابق نہیں تھے۔ مثال کے طور پر:

"میرا بھائی (A-) بلڈ گروپ کا ہے، لیکن وہ مسلمان ہے، آپ کو چاہیے؟ یا صرف ہندو کا خون چاہیے؟"

"مسلمان کا خون چلے گا یا نہیں؟"

"میرے پاس ہے، لیکن میں تمہیں نہیں دوں گا۔" "مسلمان کا چاہیے یا ہندو کا؟" یہ صرف چند مثالیں ہیں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ سوشل میڈیا پر اس سے بھی زیادہ سخت، تلخ اور اشتعال انگیز تبصرے اور ویڈیوز روزانہ دیکھنے کو ملتے ہیں۔

ہمیں یہ بات سمجھنی چاہیے کہ پہلے ہی کچھ عناصر معاشرے میں نفرت، فرقہ واریت اور غلط فہمیاں پھیلانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ ایسے ماحول میں اگر ہماری طرف سے، خصوصاً مسلم نوجوانوں کی جانب سے، غیر ذمہ دارانہ تبصرے، اشتعال انگیز ویڈیوز یا نفرت آمیز پیغامات سامنے آئیں، تو اس سے صرف چند افراد نہیں بلکہ پوری مسلم برادری کی ساکھ متاثر ہوتی ہے۔ بعض اوقات چند لوگوں کی غلطیوں کو بنیاد بنا کر پورے معاشرے کے خلاف منفی رائے قائم کر دی جاتی ہے۔

اسلام ہمیں سکھاتا ہے کہ انسان کی جان بچانا عظیم نیکی ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "جس نے ایک جان بچائی، گویا اس نے پوری انسانیت کو بچایا۔"
(سورۃ المائدہ: ۳۲)

اسلام نے خدمتِ انسانیت کو مذہب، نسل، زبان یا قومیت سے نہیں جوڑا۔ اگر کوئی ضرورت مند ہو تو اس کی مدد کرنا مسلمان کی ذمہ داری ہے، چاہے وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔

مسلم نوجوانوں کو یہ احساس ہونا چاہیے کہ سوشل میڈیا پر لکھا گیا ہر لفظ اور شیئر کی گئی ہر ویڈیو صرف ان کی ذاتی رائے نہیں سمجھی جاتی، بلکہ بہت سے لوگ اسے پورے مسلم معاشرے کی نمائندگی سمجھتے ہیں۔ اس لیے ہماری آن لائن زبان، رویہ اور کردار نہایت ذمہ دارانہ ہونا چاہیے۔

اختلافِ رائے ہر انسان کا حق ہے، لیکن اسلام ہمیں حکمت، نرمی اور اچھے اخلاق کے ساتھ بات کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ اگر کسی بات سے اختلاف ہو تو دلیل اور احترام کے ساتھ اپنی رائے پیش کریں، نہ کہ طنز، نفرت یا اشتعال انگیزی کے ذریعے۔

آج ہماری سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ مساجد، مدارس، تعلیمی ادارے، والدین اور سماجی تنظیمیں مل کر نوجوانوں کو ڈیجیٹل اخلاق (Digital Ethics) کی تعلیم دیں۔ انہیں یہ سمجھایا جائے کہ سوشل میڈیا پر ہر تبصرہ، ہر پوسٹ اور ہر ویڈیو نہ صرف ان کی شخصیت بلکہ اسلام اور پوری مسلم برادری کی شبیہ پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔

یہ مضمون کسی ایک فرد یا کسی ایک برادری پر تنقید نہیں بلکہ سوشل میڈیا پر بڑھتے ہوئے غیر ذمہ دارانہ رویوں کی نشاندہی اور مسلم نوجوانوں کی اصلاح کی ایک مخلصانہ کوشش ہے۔ آیئے عہد کریں کہ ہم سوشل میڈیا کو نفرت، تعصب اور اشتعال انگیزی کا نہیں بلکہ علم، محبت، خدمتِ انسانیت، بین المذاہب احترام اور حسنِ اخلاق کا ذریعہ بنائیں گے۔ اگر ہمارے الفاظ کسی کی جان بچانے، کسی کی حوصلہ افزائی کرنے یا معاشرے میں اعتماد پیدا کرنے کا سبب بن جائیں تو یہی اسلام کی حقیقی تعلیم اور بہترین دعوت ہو گی۔

آیئے عہد کریں کہ ہم سوشل میڈیا کو نفرت کا نہیں بلکہ محبت، علم، خدمتِ انسانیت، بین المذاہب احترام اور معاشرتی ہم آہنگی کا ذریعہ بنائیں گے۔ اگر ہمارے الفاظ کسی کی جان بچانے، کسی کی ہمت بڑھانے اور معاشرے میں اعتماد پیدا کرنے کا سبب بن جائیں، تو یہی اسلام کی حقیقی تعلیم اور بہترین دعوت ہو گی۔

ڈاکٹر سلیم انصاری

طلاق امت کا ایک سنگین معاشرتی بحران

* محمد عادل ارریاوی *

۱۶ صفر المظفر ۱۴۴۸ھ

خاندان کسی بھی معاشرے کی بنیادی حصہ ہے اور نکاح اس کی مضبوط بنیاد۔ اسلام نے اس رشتے کو محبت اور سکون کا ذریعہ بنایا ہے جبکہ طلاق کو صرف ناگزیر حالات میں آخری چارۂ کار کے طور پر جائز قرار دیا ہے۔ افسوس کہ آج اسی اختیار کا بے جا استعمال بڑھتا جارہا ہے جس کے نتیجے میں نہ صرف گھر اجڑ رہے ہیں بلکہ پورا معاشرہ بھی اس کے منفی اثرات سے متاثر ہو رہا ہے۔

طلاق کے لغوی معنی آزاد کرنے اور جدائی اختیار کرنے کے ہیں۔

شرعی معنی مخصوص الفاظ کے ذریعہ رشتہ نکاح کو ختم کر دینا ہے۔ (ہدایۃ ص ۳۷۳ ج ۲ کتاب الطلاق)

رشتۂ نکاح اللہ ربّ العزت کی ایک ایسی نعمت ہے جس کے ذریعہ دو خاندانوں کے درمیان یگانگت والفت پیدا ہوتی ہے اور انسان زناکاری و بدکاری جیسی رذیل جرم کا مرتکب ہونے سے محفوظ رہتا ہے۔ نیز انسانی معاشرہ بھی ان برائیوں سے محفوظ رہتا ہے۔ اس لئے کہ اس نعمت کی بدولت جو محبت و خلوص پیدا ہوتا ہے اس میں سادگی ہوتی ہے۔ جس کے سائے تلے آنے والی نسلوں کے کردار و عادات نکھرتے سنورتے اور بنتے ہیں۔ چنانچہ اسلام نے انسانی معاشرہ کی اس خوبصورتی کو برقرار رکھنے کے لئے طلاق جیسی مبغوض چیز کو بعض ناگزیر حالات میں جائز رکھا ہے۔ کیونکہ بسا اوقات

انسان کئی اسباب کی بنا پر نکاح جیسی عظیم نعمت کی برکات سے محروم رہ جاتا ہے جن میں معاش کی تنگی ایک دوسرے کو پسند نہ کرنا دو مزاجوں کا آپس میں نہ ملنا جنسی کمزوری کا فقدان اور برے اخلاق شامل ہیں۔ انسان اس نعمت سے صلہ رحمی محبت والفت اور ہمدردی کے جذبات حاصل کرنے کے بجائے کینہ بغض و عداوت اور دشمنی جیسی تباہ کن امراض کا شکار ہو جاتا ہے۔ زندگی رحمت کی بجائے زحمت بن جاتی ہے۔ اس طرح ازدواجی زندگی کے اس خوبصورت رشتہ کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔ انسانی زندگی کے اس نازک موڑ پر مطہرہ نے ایسی پیچیدہ صورت حال میں طلاق کو روا رکھا ہے تاکہ زوجین ایک دوسرے سے جدائی حاصل کر کے خوشحال زندگی بسر کر سکیں تاکہ ایک مضبوط اور توانا معاشرے کی جڑیں کمزور نہ ہونے پائیں۔

دین اسلام نے طلاق کو استعمال کرنے کا ایک تفصیلی قانون وضع کیا ہے جو انسانوں کو اس کا بے جا استعمال کرنے سے منع کرتا ہے۔ بلکہ اس اختیار کو ایسی نا قابل برداشت صورت حال میں روا رکھا ہے جس میں زوجین کا باہمی نباہ دشوار ہو جائے۔ قرآن مجید نے زوجین کو طلاق کا استعمال کرنے سے پہلے اپنے اختلافات کو باہمی صلح ومصالحت کے ذریعہ ختم کرنے کا حکم دیا ہے اور حتی الامکان اس سے بچتے رہنے کی ترغیب دی ہے۔

یہ ایک نا قابل فراموش حقیقت ہے کہ آج دنیا میں طلاق کا بے جا استعمال ہو رہا ہے۔ جس کے بہت سارے اسباب ہیں جن میں سے چند یہ ہیں۔

طلاق دینے کا سب سے بڑا سبب انسان میں عدم برداشت ہے۔ جس کی پاداش میں وہ اپنی عقل کھو بیٹھتا ہے اور الفاظ طلاق کا استعمال کرنے سے بھی گریز نہیں کرتا بلکہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر ان کا استعمال عقل مندی سمجھتا ہے جس کے بعد وہ کف افسوس ملتارہ جاتا ہے۔

طلاق دینے کا دوسرا سبب لوگوں کی دین سے دوری رشتہ ازدواج کی ناواقفیت اور میاں بیوی کا ایک دوسرے کے حقوق و فرائض کو نہ پہچانا ہے۔ بالفاظ دیگر طلاق کی شرح میں اضافے کا سب سے بڑا سبب لاعلمی اور جہالت ہے۔ اسی لئے مسلمانوں کی یہ ذمہ داری بنتی ہیں کہ وہ ایسے لوگوں کے اندر ازدواجی رشتہ کی اہمیت کو اجاگر کریں اور اسلام کے اختیار طلاق کو بے جا استعمال کرنے پر وعیدوں سے ان کو روشناس کروایا جائے۔

طلاق کا تیسرا سبب خاندانی اور گھریلو ناچاقیاں ہیں۔ سسر ساس نند بھاوج کے درمیان لڑائیاں رشتوں میں زیادہ کشیدگی پیدا کرتی ہیں۔ جس کی وجہ سے گھر میں سکون کی بجائے حسد و بغض عداوت اور انتظام کی ایسی آگ بھڑک اٹھتی ہے جو کبھی بجھتی نہیں اور والدین اور رشتہ داروں کی ذاتی عداوت و نفرت شوہر کو طلاق دینے پر مجبور کر دیتی ہے اور وہ بلا وجہ اپنے

والدین اور رشتہ داروں کے کہنے پر اپنی بیوی کو طلاق دے دیتا ہے جس سے اس کی بیوی اور بچوں کی زندگی تباہ ہو جاتی ہے۔ بلاوجہ والدین یا رشتہ داروں کی ذاتی عداوت کی وجہ سے اپنی بیوی کو طلاق دینا خلاف شریعت ہے۔

طلاق کا ایک سبب عورت کا بد خلق ہونا اور دستور کے مطابق شوہر کی فرمانبرداری نہ کرنا۔

شوہر کا اپنی بیوی پر ظلم و تشدد کرنا اور انصاف سے کام نہ لینا۔ زوجین کا ایک دوسرے کے حقوق کو نہ پہچاننا۔

زوجین کا شراب منشیات اور تمباکو کا استعمال کرنا جو کہ یورپ میں اب ایک فیشن ہے۔ اعاذنا اللہ منہ۔ عورت کا صفائی ستھرائی کا اہتمام نہ کرنا اور اپنے شوہر کے سامنے زیب وزینت کا نہ کرنا۔ بیوی کا اپنے شوہر سے اچھے انداز سے گفتگو نہ کرنا۔ زوجہ کا اپنے شوہر سے ملاقات کے وقت خوشی اور مسرت کا اظہار نہ کرنا۔

طلاق صرف چار لفظوں پر مشتمل ایک معمولی جملہ نہیں بلکہ ایک پورے خاندان کے ٹوٹ جانے کا نام ہے۔ اس کے نتیجے میں بچے ماں یا باپ کی شفقت سے محروم ہو جاتے ہیں دو خاندان ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں اور کئی زندگیاں بکھر کر رہ جاتی ہیں۔ اس لیے حتی الامکان طلاق سے بچنا چاہیے الا یہ کہ کوئی سخت اور ناگزیر شرعی عذر موجود ہو۔

آج بے شمار گھروں میں ہزاروں عورتیں طلاق کی وجہ سے اپنے گھروں میں بیٹھی ہیں اور اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ بڑی مشکل سے گزار رہی ہیں۔ کوئی جوانی ہی سے اس آزمائش کا شکار ہے تو کوئی عمر کے آخری حصے میں اس درد کو سہہ رہی ہے۔ بچے نہ مکمل طور پر ماں کی شفقت پا سکتے ہیں اور نہ ہی باپ کی محبت و تربیت سے بہرہ مند ہو پاتے ہیں۔ اس موضوع سے متعلق ایسی بے شمار تلخ حقیقتیں ہیں کہ انہیں قلم بند کرتے ہوئے دل کانپ اٹھتا ہے اور آنکھیں نم ہو جاتی ہیں۔ اس لیے طلاق کی حقیقت کو پہچانیے اور حتی الامکان اس سے بچیے۔ اپنے بچوں کے مستقبل کی خاطر کم از کم ان پر رحم کیجیے۔ افسوس اس بات پر بھی ہوتا ہے کہ ہمارے معاشرے میں آج بھی بہت سی مطلقہ خواتین صرف اس لیے دوسرا نکاح نہیں کرتیں کہ انہیں معیوب سمجھا جاتا ہے حالانکہ یہ سوچ اسلامی تعلیمات کے منافی اور معاشرتی ناانصافی ہے۔ اے اللہ ربّ العزت ہمارے گھروں میں محبت سکون اور رحمت عطا فرما ہمیں طلاق جیسے ناپسندیدہ عمل سے محفوظ رکھ اور ہمارے خاندانوں کو ہمیشہ آباد رکھ۔ آمین یارب العالمین۔

اے واعظ قوم کیا تجھے خوف خدا نہیں؟

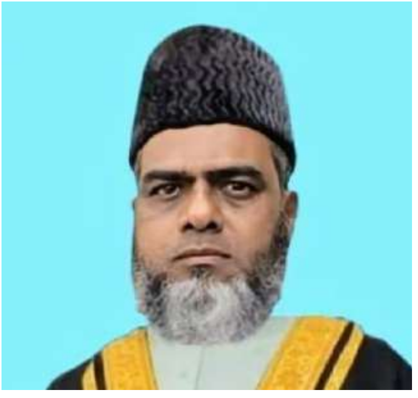

تحریر: جاوید اختر بھارتی

ہر میدان میں ہوا کے رخ پر چلنا ضروری نہیں ہے بلکہ کچھ ایسے میدان اور ایسے شعبے ہیں جہاں ہواؤں اور طوفانوں کا رخ موڑنا ضروری ہے،، اگر ہر میدان میں ہوا کے رخ پر چلنا ضروری ہوتا تو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ بادشاہ کی بات مان لئے ہوتے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی بادشاہ کی بات مان لئے ہوتے پھر ان دونوں اماموں کو سزا بھی نہیں ملی ہوتی اور بادشاہ کے ظلم سے بھی بچ جاتے مگر نتیجہ یہ ہوتا کہ دین کی شبیہ بگڑ جاتی،، اس لئے بادشاہ کہتا رہا کہ قرآن اللہ کی مخلوق ہے اور امام احمد بن حنبل کہتے رہے کہ قرآن اللہ کی مخلوق نہیں بلکہ اللہ کا کلام ہے اور یاد رہے کہ مخلوق کو فنا ہونا ہے اور اللہ کا کلام فنا نہیں ہوگا بادشاہ نے امام احمد بن حنبل کے جسم پر ۸۰ کوڑا مارا اور ہر کوڑے امام احمد بن حنبل پر کہتے رہے کہ قرآن اللہ کی مخلوق نہیں بلکہ اللہ کا کلام ہے یہ ان کی مستقل مزاجی اور ثابت قدمی تھی یہ ان کی غیرت تھی اور جوش ایمانی تھا-

آج کچھ مقررین کا جو حال ہے وہ قابل افسوس بھی ہے، باعثِ تشویش بھی ہے، قابل گرفت بھی ہے اور باعث شرم بھی ہے جبکہ پہلے ہی برصغیر کے مسلمانوں کے سروں پر اختلافات کی چادر اوڑھادی گئی ہے اور یہ امت روایات میں کھوگئی، اختلافات کا شکار ہوگئی اور اب حال یہ ہے کہ کرامت کے نام پر ایسے ایسے قصے کہانیاں بڑے بڑے بزرگان دین کے نام سے منسوب کرکے سنائے جاتے ہیں کہ حقیقت میں وہ مقررین لعنت اللہ عل الکاذبین کے مرتکب ہیں،، کوئی بزرگ قبر میں نکیرین کی آمد پر انہیں تھپڑ مار دیتا ہے، فرشتے کا ہاتھ پکڑ کر بولتا ہے کہ تمہیں یہ بھی نہیں معلوم کہ کسی کے وہاں جاؤ تو پہلے سلام کرو،، وہ فرشتہ واپس جاتا ہے پھر آتا ہے تو سلام عرض کرتا ہے پھر وہ تینوں سوال کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ بزرگ پھر ہاتھ پکڑ کر فرشتے سے ہی پوچھتا ہے کہ جب ہمارے باپ آدم علیہ السلام کی تخلیق کے لئے اللہ نے تم سے مشورہ طلب کیا تھا تم نے اعترض کیا تھا اور کہا تھا کہ یہ زمین پر فساد برپا کریں گے قتل و غارتگری کریں گے جب تم پہلے ہی ہم پر الزام عائد کرچکے ہو تو تمہیں کیا حق ہے ہم سے سوال کرنے کا،، وہ فرشتہ واپس بارگاہ رب ذوالجلال میں حاضر ہوکر عرض کرتا ہے کہ اے اللہ تیرے ایک بندے نے تو آج میرا گریبان پکڑ لیا اور سوال پر سوال کر رہا ہے بتا میں کیا کروں،، معاذاللہ،، اور کتنے افسوس کی بات ہے کہ یہ واقعہ حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا بتایا جارہا ہے،، اب سینے پر ہاتھ رکھ کر سنجیدگی کے ساتھ غور کریں کہ تقریروں میں ایسی بات بیان کرنے والا غوث پاک کے فضائل و مناقب بیان کر رہا ہے یا ان کی شان میں گستاخی کر رہا ہے اور مسلمانوں کے دلوں میں اولیاء کرام کی محبت کا چراغ روشن کر رہا ہے یا مسلمانوں کو گمراہ کر رہا ہے؟ ایسا شخص بھلے ہی جبہ پہنے، سر پر عمامہ باندھے وہ کذاب ہے،، وہ غوث پاک کا مقام و مرتبہ نہیں بیان کر رہا ہے بلکہ وہ خطابت کو ایک فن سمجھتا ہے اور بزرگان دین کو آلہ کار بنا کر اپنا پیٹ بھر رہا ہے اسلام کی تعلیمات و تبلیغ سے اس کا کوئی لینا دینا نہیں ہے-

« دوسرا واقعہ » غوثِ اعظم کی عمر چار سال کی ہوئی اچانک ایک دن بول پڑے اے والدہ محترمہ میری غلطی کو معاف کر دیجئے اتنا سننا تھا کہ والدہ ماجدہ چونک جاتی ہیں اور پوچھتی ہیں کہ اے میرے بیٹے ابھی تو تمہاری عمر چار سال ہوئی ہے آخر کون سی غلطی کی بات کر رہے ہو کیا غلطی ہوئی ہے کہ تم مجھ سے معافی مانگ رہے ہو،، غوث اعظم کہتے ہیں کہ اے والدہ محترمہ میں تمہارے شکم میں تھا ایک دن سائل نے دروازے پر دستک دی اور دروازے کی کنڈی کھولنے کے لئے آپ آگے بڑھیں آپ کی نظروں نے نہیں دیکھا کنڈی کے اوپر ایک بچھو بیٹھا ہوا تھا اگر آپ کنڈی کو ہاتھ لگاتیں تو وہ ڈنک مار دیتا میں آپ کے شکم میں تھا لیکن میری نگاہوں نے دیکھ لیا اسی بچھو سے بچانے کے لئے میں آپ کے شکم میں رہتے ہوئے آپ کو پاؤں سے ٹھوکر ماری تو اے میری ماں میرے ٹھوکر مارنے سے جو آپ کو تکلیف ہوئی اسی کی معافی مانگ رہا ہوں اے میری ماں مجھے معاف کر دو،، قارئین کرام دل پر ہاتھ رکھ کر ایک بار پھر سنجیدگی کے ساتھ غور کریں اور بتائیں کہ کیا یہ واقعہ جھوٹا نہیں لگتا ہے؟

« تیسرا واقعہ » راجدھانی ایکسپریس کی رفتار کے مانند ایک مقرر بیان کرتا ہے کہ دنیا کے سارے درختوں کے پتوں کو کاغذ بنا دیا جائے، شاخوں کو قلم بنا دیا جائے، سارے سمندر کو روشنائی بنا دیا جائے اور پوری دنیا کے مسلمان مل کر غوث پاک کی تعریف و شان لکھنا چاہیں تو نہیں لکھ سکتے اور بیان کرنا چاہیں تو نہیں بیان کر سکتے یہ شان ہے غوث پاک کی،، اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ مذکورہ صفات کس کی ہے ہم نے تو یہ صفات اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہی جانا ہے اور بیشک یہ صفات اللہ رب العالمین کی ہی ہے اب اس کی صفات میں کسی اور کو شامل کرنا شرک نہیں تو اور کیا ہے؟ اپنی دوسری تقریر میں کہتا ہے کہ غوث پاک نے فرمایا کہ اللہ نے مجھ سے ستر مرتبہ وعدہ کیا ہے کہ اے عبد القادر میں نے تیرے سارے مریدوں کو بخش دیا ان کی مغفرت کردی،، اپنی ایک اور تقریر میں بیان کیا ہے کہ حالت ناپاکی اور بے وضو کوئی شخص غوث پاک کا نام لیتا تھا تو وہ مر جاتا تھا وہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غوث پاک سے کہا کہ اے عبدالقادر میری امت پر رحم کر تب یہ سلسلہ بند ہوا مگر آج بھی کوئی شخص حالت ناپاکی یا بے وضو غوث کا نام لیتا ہے تو اس کا ایک بال تو گر ہی جاتا ہے آگے کہتا ہے کہ ہو سکتا ہے آپ لوگ اس بات کو مانیں یا نہ مانیں-

« چوتھا واقعہ » ایک عورت آتی ہے غوث پاک کی بارگاہ میں عرض کرتی ہے کہ مجھے بیٹا چاہئے غوث پاک نے فرمایا کہ تیری قسمت میں نہیں ہے وہ عورت کہتی ہے کہ اگر قسمت ہوتا تو آپ کی خدمت میں کیوں آتی اتنا سننا تھا کہ غوث پاک نے نظریں آسمان کی طرف اٹھائی اور کہا کہ اے اللہ اس عورت کو بیٹا دے غیب سے آواز آئی کہ اس کی قسمت میں نہیں ہے غوث پاک نے کہا کہ دو دے پھر آواز آئی قسمت میں نہیں ہے غوث پاک نے کہا کہ چار دے پھر آواز آئی قسمت میں نہیں غوث پاک نے کہا کہ آٹھ دے اس طرح غوث پاک مانگتے رہے اور غیب سے آواز آتی رہی کہ قسمت میں نہیں ادھر مانگ میں اضافہ ہوتا رہا بالآخر غوث پاک کو جلال آگیا اور اللہ سے عرض کیا کہ جب میرے مانگنے پر نہیں دینا ہے تو مجھے غوث کیوں بنایا اپنا محبوب کیوں بنایا (استغفر اللہ) یہ حال ہے نام نہاد خطباء و پیشے ور مقررین کا اس طرح کے بے شمار واقعات ہیں جن کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں ہے-

اولیاء کرام سے عقیدت و محبت بالکل ہونی چاہئے مگر غلو کے ساتھ نہیں، ان کے فضائل و مناقب کو بیان کیا جانا چاہئے مگر غلو کے ساتھ نہیں، فرضی اور من گھڑت کہانی بنا کر نہیں،، اب کوئی بیان کرتا ہے کہ فلاں بزرگ نے اپنے جنازے کی نماز خود پڑھائی، فلاں بزرگ کی شادی ہوئی پہلی رات میں انہوں نے مصلیٰ بچھا دیا نوافل پڑھنے میں مصروف ہوگئے دلہن نے اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا تو وہ بزرگ جلال میں آگئے دلہن کی طرف دیکھا تو وہ جل کر راکھ ہوگئی، فلاں بزرگ ہر رات ایک ہزار رکعت نفل نماز پڑھا کرتے تھے، فلاں بزرگ نے چالیس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کی ابھی ایک مولانا کے بیٹے کا انتقال ہوگیا اب مولانا کے موبائل پر دوسرے مولانا میسیج کر رہے ہیں کہ ہم نے خواب میں آپ کے بیٹے کو جنت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھڑے دیکھا اب اسٹیج سے تبلیغ کرنے والے مولانا کے بارے میں کہا گیا کہ وہ بڑے بزرگ ہیں روزانہ ایک لاکھ مرتبہ درود شریف پڑھتے ہیں،، کیا یہ جھوٹ نہیں ہے اور تعریف کے نام پر غلو نہیں ہے؟ بالکل سراسر جھوٹ ہے کیونکہ چوبیس گھنٹے میں چھیاسی ہزار چار سو سکنڈ ہوتے ہیں اب کوئی کھانا پینا چھوڑے اور چوبیس گھنٹے مسلسل ایک سکنڈ میں ایک بار درود شریف پڑھے پھر بھی چھیاسی ہزار چار سو مرتبہ درود پڑھا جاسکتا ہے یعنی پھر بھی ایک لاکھ مرتبہ نہیں پڑھا جاسکتا اور اسی طرح بارہ گھنٹے میں سات سو بیس منٹ ہوتے ہیں تو ایک منٹ میں ایک رکعت کے اعتبار سے بھی ایک ہزار رکعت نماز نہیں پڑھی جاسکتی، بغیر قیام، بغیر رکوع و سجود، بغیر قعدہ و جلسہ کے پڑھی جائے تو خود فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ نماز ہے یا اور کوئی چیز ہے لیکن آگے یہ کہہ کر خاموش کرا دیا جاتا ہے کہ جہاں تمہاری عقل اور تمہارا شعور ختم ہوتا ہے وہاں سے ولیوں اور بزرگوں کی کرامت کا سلسلہ شروع ہوتا ہے- جذباتی انداز میں لوگوں کو اتنا "مذہبی بنادو کہ

* تحقیق کرنے کو ایمان کے منافی سمجھیں، سوال کرنے کو گستاخی سمجھیں،

* تنقید کو گناہ سمجھیں، ہر غلط بات اور حرکت کو خندہ پیشانی سے قبول کرلینے کو بزرگوں کا ادب و احترام سمجھیں، ان کے پیر دبانے کو خدمت، ان کی اندھی عقیدت کو ایمان کا تقاضہ سمجھیں، ذہنی غلامی کو دین کا جز سمجھیں، ان سے اختلاف کو گمراہی سمجھیں، ان کے دیدار کو سعادت سمجھیں اور مصافحہ و ہاتھ چومنے کو مغفرت کا ذریعہ سمجھیں*۔

آج یہی حال کچھ نام نہاد خطباء و مقررین نے قوم وملت کا بنا رکھا ہے اور دن پر دن ان کی تعداد بڑھتی جارہی ہے

ایک بات اور قابل ذکر ہے کہ سب سے زیادہ من گھڑت روایات اور کرامت کے نام پر جھوٹی کہانیاں آخر غوث اعظم کی ہی کیوں بیان کی جاتی ہیں،، جب واہ واہی لوٹنا مقصد ہے تو وہ مقررین اپنی خاندان، رشتہ داری میں سے کسی کے نام منسوب کرکے کیوں نہیں بیان کرتے اور افسوس تو ان لوگوں پر بھی ہوتا ہے جو لوگ ان مقررین کے اسٹیج پر موجود رہتے ہیں ان لوگوں پر بھی شخصیت پرستی اس قدر غالب رہتی ہے کہ جہاں معاذاللہ، نعوذباللہ، استغفر اللہ کہنا چاہئے وہاں پر بھی وہ ماشاء اللہ سبحان اللہ کہتے ہیں ان کے سامنے اصلی میں ڈالڈا ملایا جاتا ہے اور وہ داد و تحسین سے نواز تے رہتے ہیں یا تو ان نام نہاد خطباء و مقررین کے دلوں میں غوث اعظم سے بغض ہے اس بات کا کہ وہ ہمارے مسلک کے ماننے والے نہیں تھے اور اپنے بغض پر پردہ ڈالنے کے لئے جھوٹی کہانیاں سناتے ہیں کیونکہ عام طور پر مسلمانوں کا یہ مزاج ہے کہ مولانا ہیں تو جھوٹ نہیں بولیں گے، یا کہ پھر عالمی سطح پر کوئی لابی ایسی ہے جو ان مقررین کو دولت ومال وزر دیتی ہے، ان کا خرچ اٹھاتی ہے اور یہ لوگ بزرگانِ دین کے نام پر غلو بازی کرتے ہیں اور کرامت کے نام پر جھوٹی کہانیاں سناتے ہیں-

یقیناً اولیاء کرام قابل عقیدت و احترام و محبت ہیں اور غوث اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کا مقام و مرتبہ بہت بلند ہے اللہ ان پر کروڑوں رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے انہوں نے دین کی تبلیغ کی ہے وہ حنبلی مسلک کے ماننے والے تھے ان کی کتاب غنیۃ الطالبین بہت مشہور ہے انہوں نے کبھی نہیں کہا کہ میں بغداد میں تقریر کرتا ہوں تو میری آواز کو لوگ مصر میں بیٹھ کر سنتے ہیں، انہوں نے کبھی نہیں کہا کہ مدد کے لئے مجھے پکارا کرو لیکن پیشے ور مقررین ان کے نام پر غلو کرکے جھوٹ بول بول کرکے اپنا پیٹ بھر رہے ہیں اور ڈھٹائی دیکھئے کہ سوشل میڈیا پر وائرل بھی کرتے ہیں اب تو غیر مسلم بھی مذاق اڑانے لگے ہیں-

اے مسلمانوں ضرورت اس بات کی ہے کہ جلسوں کے تقدس کو بچاؤ منبر رسول سے قصے کہانیاں سنانے والوں کا بائیکاٹ کرو آج بھی ایسے علمائے اسلام موجود ہیں جو منبر رسول سے دینی جلسوں کے اسٹیج سے قرآن وحدیث سناتے ہیں اللہ و رسول اور صحابہ کرام کا ذکر کرتے ہیں اور انہیں علماء کرام کو انبیاء علیہم السلام کا وارث کہا گیا ہے،، منبر رسول سے فرضی واقعات اور من گھڑت روایات بیان کرنے والے انبیاء علیہم السلام کے وارث نہیں ہوتے ہاں جہنم کے ایندھن ضرور ہوسکتے ہیں

javedbharti508@gmail.com
جاوید اختر بھارتی (سابق سکریٹری یو پی بنکر یونین) محمد آباد گوہنہ ضلع مئو یوپی

* نیپال کی مثالی بھائی چارگی اور امن کے دشمن کون؟ *

نائب ایڈیٹر مفتی نعمانی صاحب کا پیغام

نیپال میں ہندو مسلم کے درمیان فساد کو ہوا دینے والے سوشل (میڈیا ٹک ٹاک، فیسبک، یوٹیوب) استعمال کرنے والے غنڈے ہیں۔

آج سوشل میڈیا جہاں علم، آگہی اور مثبت پیغام رسانی کا مؤثر ذریعہ ہے، وہیں چند غیر ذمہ دار افراد نے اسے نفرت اور فرقہ واریت پھیلانے کا ہتھیار بنا دیا ہے۔ نیپال میں ہندو مسلم کشیدگی کو بڑھانے میں بھی ایسے ہی شرپسند عناصر کا کردار نمایاں نظر آتا ہے۔

ہندو اور مسلم دونوں معاشروں میں موجود چند شہرت کے بھوکے ٹک ٹاکرز، یوٹیوبرز اور سوشل میڈیا صارفین محض لائکس، ویوز اور فالوورز کی خاطر اشتعال انگیز ویڈیوز، جھوٹی خبریں اور نفرت انگیز بیانات نشر کرتے ہیں۔ وہ پرانے واقعات کو نئے رنگ میں پیش کر کے عوام کے جذبات بھڑکاتے ہیں، جس کے نتیجے میں سوشل میڈیا کی نفرت رفتہ رفتہ زمینی سطح پر فساد کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایسے لوگ نہ اپنے مذہب کے نمائندہ ہیں اور نہ ہی اپنے وطن کے خیر خواہ۔ ان کا مقصد صرف ذاتی شہرت اور مالی فائدہ ہوتا ہے، جبکہ نقصان پورے ملک کو اٹھانا پڑتا ہے۔ نیپال کی شناخت مذہبی ہم آہنگی، باہمی احترام اور صدیوں پر محیط بقائے باہمی سے ہے، جسے چند شرپسند افراد کی نذر نہیں ہونے دینا چاہیے۔ اب موجودہ فساد اور قتل و غارت ہی کو دیکھ لیجیے کہ یہ ایک بڑی جماعت کی زیادتی سے شروع ہوا اور سوشل میڈیائی شرپسند عناصر نے اپنے زہریلی بیان سے چند ہی لمحوں میں پورے ملک کو اس فساد میں ڈھکیل دیا۔

جانی، مالی، مذہبی، سماجی، سیاسی ہر طرح سے ملک و عوام کا شدید نقصان ہوا ہے۔ اور ملک میں موجود آتنکی گروپ ہے۔

علمائے کرام، سماجی رہنما اور دانشوران سے اپیل ہے کہ اپنے معاشرے کے نا اہل نوجوانوں کی اچھی تربیت کریں اور اختلاف کو ہوا دینے سے بچائیں، باقی کام حکومت پہ چھوڑ دیں۔ نیز اس مسئلے کا حل یہ ہے کہ حکومت نفرت انگیز مواد پھیلانے والوں کے خلاف بلاامتیاز قانونی کارروائی کرے، سوشل میڈیا پلیٹ فارم ایسے اکاؤنٹس کے خلاف فوری اقدامات کریں، اور عوام کسی بھی خبر یا ویڈیو کو تحقیق کے بغیر آگے نہ بڑھائیں۔ علمائے کرام، سماجی رہنما اور دانشور بھی محبت، رواداری اور قومی یکجہتی کا پیغام عام کریں۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ فساد کبھی کسی ایک مذہب یا برادری کی فتح نہیں ہوتا، بلکہ اس کی آگ پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ نیپال کا امن، ترقی اور استحکام اسی میں ہے کہ نفرت کے سوداگروں کو قانون کے کٹہرے میں لایا جائے (از: ایم۔ کے۔ نعمانی)

برطانوی ہندوستان کے آزاد سفارت کار مولانا برکت اللہ بھوپالی

ڈاکٹر حسن مدنی ندوی
(ریسرچر اسلامک یونیورسٹی انڈونیشیا)

انیسویں صدی کا عہد وسطی ہندوستان کے لیے ایک ایسا موڑ تھا جس سے واپسی ناگزیر تھی۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی، جسے انگریز نے "غدر" کا نام دیا، اپنی تمام تر بے مثال قربانیوں کے باوجود ناکام ہوئی، اور اس ناکامی نے برصغیر کی سیاسی، تہذیبی اور دینی زندگی کو یکسر بدل ڈالا۔ کمپنی کا اقتدار ختم ہوا تو براہ راست تاج برطانیہ کی حکمرانی قائم ہوگئی، مغل سلطنت کی مکمل تنسیخ ہوئی، اور مسلمانانِ ہند پر شکوک و شبہات کے ایسے بادل چھائے کہ ان کی معاشرت، تعلیم اور معیشت تینوں زخم خوردہ ہوگئیں۔

بھوپال کی چھوٹی سی مسلم ریاست، جہاں اس وقت سکندر بیگم اور بعد میں شاہ جہاں بیگم کی حکمرانی تھی، انگریزوں سے وفاداری کی پالیسی پر قائم تھی اور ۱۸۵۷ء کے طوفان سے محفوظ رہی۔ یہی وہ بظاہر پرسکون ریاستی فضا تھی جس کی گود میں ۱۸۵۴ء میں ایک ایسا بچہ پیدا ہوا جو آگے چل کر اسی برطانوی اقتدار کے خلاف ساری دنیا میں علم بغاوت بلند کرنے والا تھا۔ گویا تاریخ نے ایک عجیب تضاد رچا، وفادار ریاست کی گود سے ایک عالمی باغی نے جنم لیا۔

اسی دور میں ہندوستان کی دینی و علمی زندگی میں دو بڑے دھارے نمودار ہوئے۔ ایک طرف سرسید احمد خان نے علی گڑھ کی بنیاد رکھ کر مغربی علوم سے مصالحت کی راہ اپنائی، دوسری طرف ۱۸۶۶ء میں دارالعلوم دیوبند کے قیام کے ساتھ ہی علماء کی وہ جماعت منظم ہوئی جس نے استعماری اقتدار کو دینی و سیاسی دونوں محاذوں پر للکارا۔ سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کی تحریک جہاد، جو بالاکوٹ کی چٹانوں میں ۱۸۳۱ء میں خون میں نہا چکی تھی، ابھی تک لوگوں کے دلوں میں زندہ تھی، اور اسی روایت کی ایک کڑی آگے چل کر مولانا محمود حسن اور ان کے شاگرد مولانا عبید اللہ سندھی کی ریشمی رومال تحریک کی صورت میں ظاہر ہونے والی تھی۔ ۱۸۸۵ء میں انڈین نیشنل کانگریس کا قیام، ۱۹۰۵ء میں تقسیم بنگال کے خلاف تحریک، اور اس کے بعد ابھرنے والی انقلابی لہریں، یہ سب اسی زمین کی کوکھ سے پھوٹنے والے مختلف چشمے تھے جن کا سرچشمہ ایک ہی تھا: غلامی کی زنجیر کاٹنے کی تڑپ۔

آزادی کے لیے جہاں ہم نے تاریخ کے صفحات میں مجاہدینِ آزادی کے بارے میں پڑھا ہے، اس سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ان کی قربانیاں تقریباً ہر میدان میں رہی ہیں۔ مگر ان کی وفا، ایثار اور بیش بہا خدمات کا ذکر جب ہم کرتے ہیں تو محض اس نظر سے کرتے ہیں کہ ملک و ملت کے لیے انہوں نے کیا کیا، صرفِ نظر اس کے کہ بین الاقوامی سطح پر ان کی قربانیوں کے کیا اثرات مرتب ہوئے۔ چند ایک کے علاوہ، جیسے گاندھی، آزاد، جوہر اور نہرو، جن کی سیاسی پوزیشن اندرونِ ملک مستحکم تھی، یہ تو آزادی کے آخری، سب سے روشن ستارے ہیں۔ ان سے قبل بھی بہت سی ہستیاں گزری ہیں جن کا ذکر ہم سرسری طور پر کرتے ہیں، یا انہیں مخصوص تحریکوں، ریشمی رومال تحریک، سید احمد شہید کی تحریک، یا دیگر انقلابی دھاروں سے جوڑ کر ایک خاص پس منظر کے تحت یاد کرتے ہیں، جیسے چندر شیکھر آزاد یا بھگت سنگھ، محمود حسن۔ غرض ہر مکتبِ فکر نے اپنا ہیرو چن رکھا ہے، مگر کچھ ہستیاں ایسی ہیں جو گمنامی کے دھندلکوں میں کھو جاتی ہیں، حالانکہ ان کی قربانیوں کے چرچے نہ صرف اندرونِ ملک بلکہ بیرونِ ملک تک پھیلے رہے۔ یہاں نہ صرف دینی و روحانی آزادی کی جنگ ہمارے بزرگوں نے لڑی، بلکہ سیاسی جدوجہد کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی سفارت کاری میں بھی جو کردار ان حضرات نے ادا کیا، اگر اس کا کچھ فیصد حصہ بھی ہمارے نصیب میں آجاتا تو ملتِ اسلامیہ ہندیہ اس قدر بحران کا شکار نہ ہوتی۔ سفارت کاری کا اجتماعی زندگی میں وہی مقام ہے جو سیاست کا براہ راست ہے؛ یہ اسی کا ضمیمہ، اسی کی ایک شاخ ہے، اور تاریخ گواہ ہے کہ سفارت کاری کے ذریعے بسا اوقات وہ مسائل حل ہوئے جو شاید تلوار اور توپ سے بھی حل نہ ہو پاتے۔ صلح حدیبیہ کی مثال سامنے رکھیے: بظاہر ایک نامساعد معاہدہ، جسے بعض صحابہ کرام نے بھی ناپسند کیا، مگر اسی صلح کی چھتری تلے دو برس کے اندر اسلام اتنا پھیلا جتنا برسوں کی جنگوں میں نہ پھیل سکا تھا، اور بالآخر فتح مکہ خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر مکمل ہوئی۔ اسی طرح بیسویں صدی میں کیمپ ڈیوڈ کے معاہدے (۱۹۷۸ء) نے مصر اور اسرائیل کے درمیان تین دہائیوں کی متواتر جنگوں کا وہ سلسلہ ختم کر دیا جسے چار بڑی جنگیں بھی ختم نہ کر سکی تھیں۔ گویا سفارت کاری وہ خاموش تلوار ہے جو بغیر خون بہائے فیصلے کن معرکے سر کر لیتی ہے، اور یہی وہ میدان ہے جس میں مولانا برکت اللہ بھوپالی کی زندگی اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے۔

تاریخِ ہند کا وہ دور انتہائی کرب ناک تھا جب ۱۸۵۷ کی جنگِ آزادی کی ناکامی کے بعد برصغیر پر برطانوی سامراج کا تسلط مکمل ہو چکا تھا۔ دہلی اور لکھنؤ جیسے عظیم الشان علمی و تہذیبی مراکز اجڑ چکے تھے اور ہر طرف مایوسی، جبر اور غلامی کا گہرا سایہ چھایا ہوا تھا۔ ایسے پر آشوب اور تاریک وقت میں وسطی ہند کی ریاست بھوپال علم و فضل کا ایک نیا اور مستحکم مرکز بن کر ابھری۔ عہدِ شاہجہانی میں بیگم صاحبہ بھوپال اور ان کے شوہر نواب صدیق حسن خان کی علم پروری اور قدر دانیوں نے ہر مکتبِ فکر کے اربابِ فضل و کمال کو بھوپال میں جمع کر دیا تھا۔ نواب صدیق حسن خان، جو خود ایک عظیم دینی مصنف اور سلفی تحریک کے بانیوں میں سے تھے، نے بھوپال کو اس علمی تحریک کا مرکز بنا دیا تھا جس میں براہِ راست قرآن و سنت پر عمل کی دعوت دی جاتی تھی۔ یہ وہی علمی، روحانی اور کسی حد تک برطانوی سامراج کے خلاف خفیہ جذبات رکھنے والا ماحول تھا جس میں مولانا برکت اللہ بھوپالی نے ہوش و شعور کی آنکھیں کھولیں۔

مولانا برکت اللہ کی پیدائش ۷ جولائی ۱۸۵۴ء کو بھوپال کے محلہ اٹاوہ میں ہوئی۔ ایک متوسط، بلکہ نچلے متوسط گھرانے کا یہ بچہ ابتدا ہی سے باغیانہ مزاج لیے پیدا ہوا تھا۔ بھوپال کے دینی ماحول میں تعلیم پائی، رسمی علوم سے فراغت کے بعد مولانا نے بھوپال میں مدرس کی حیثیت سے اپنی عملی زندگی کا آغاز کیا۔ اس دور میں عام مولویوں کے نزدیک انگریزی پڑھنا معیوب یا حرام سمجھا جاتا تھا، لیکن مولانا برکت اللہ، جو عیسائی مشنریوں کی سرگرمیوں اور برطانوی سامراج کے ہتھکنڈوں کا بغور مشاہدہ کر رہے تھے، اس نتیجے پر پہنچے کہ دشمن کو اس کی زبان اور اس کے علوم کے بغیر شکست نہیں دی جا سکتی۔ انہوں نے محسوس کیا کہ مغربی اقوام کی استعماری پالیسیوں کو سمجھنے کے لیے انگریزی پر عبور ناگزیر ہے۔ اور ۱۸۸۲ء میں سید جمال الدین افغانی سے ملاقات کی، جن کے افکار نے نوجوان برکت اللہ کے ذہن پر گہرا اثر چھوڑا اور حریت کی وہ آگ بھڑکا دی جو تاحیات نہ بجھ سکی۔ پھر اچانک، ۱۸۸۳ء میں، وہ بھوپال سے پراسرار طور پر غائب ہو کر بمبئی جا پہنچے، جہاں ولسن ہائی اسکول کھیت واڑی میں داخلہ لیا، ایک ایسے طالب علم کی حیثیت سے جو عمر میں اپنے ہم جماعتوں سے کہیں بڑا تھا، مگر جسے علم کی پیاس نے ابتدائی جماعتوں میں بیٹھنے سے بھی گریز نہ دلایا۔ کسی مسٹر اسکاٹ سے انگریزی کے نجی اسباق کے عوض اردو پڑھانے کا معاہدہ کیا، اور محض تین برس کی محنت میں یونیورسٹی داخلے کے امتحان کے قابل ہو گئے۔ ۱۸۸۷ء میں لندن پہنچے اور وہاں عربی، فارسی اور اردو کے نجی معلم کی حیثیت سے کام کرنے لگے، اور اسی دوران خود جرمن، فرانسیسی اور جاپانی زبانیں بھی سیکھ لیں۔ یوں ایک ایسا انسان تیار ہوا جس کی زبان ہی اس کا پاسپورٹ بن گئی، وہ زبان جو مشرق و مغرب کی سرحدوں کو بیک وقت عبور کر سکتی تھی۔

لندن میں قیام کے دوران برکت اللہ کا رابطہ ہندوستانی انقلابیوں کے مرکز "انڈیا ہاؤس" سے ہوا، اور ۱۸۹۷ء میں وہ مسلم پیٹریاٹک لیگ کے اجلاسوں میں شاملی کرشن ورما جیسے انقلابیوں کے ہمراہ نظر آتے ہیں۔ اسی زمانے میں ایک ایسا موڑ آیا جس نے ان کی زندگی کو ایک نئی سمت دی، ۱۸۹۵ء میں انگریز نو مسلم عبد اللہ قلیم نے انہیں لیورپول مسلم انسٹی ٹیوٹ میں کام کرنے کی دعوت دی۔

یہاں ۱۸۹۳ء سے ۱۸۹۶ء تک وہ امام اور معلم کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے، لیکن ان کا اصل کام دنیا بھر کے مسلم حکمرانوں اور اہلِ خیر کے نام اردو، عربی اور فارسی میں خط و کتابت کی ایک مہم چلانا تھا۔ اسی مکتوب نگاری کی برکت تھی کہ افغان دربار سے ان کا سب سے بڑا کامیاب رابطہ قائم ہوا، اور نتیجتاً افغان ولی عہد نے ۱۸۹۵ء میں مسجد کے دورے پر آ کر اس کی تعمیر کے لیے بھاری عطیہ دیا۔ اسی برس ۱۸۹۵ء میں برکت اللہ کی شناسائی امیر افغانستان کے بھائی نصر اللہ خان سے ہوئی، یہ وہ رشتہ تھا جو بیس برس بعد کابل کی سرزمین پر عبوری حکومتِ ہند کے قیام کی راہ ہموار کرنے والا تھا۔ لیورپول یونیورسٹی کے اورینٹل کالج میں بھی درس و تدریس کے فرائض انجام دیے، مگر ادارے کے طرزِ عمل سے بتدریج دوری اختیار کر لی۔

ایک عرصے بعد لندن کی گھٹی ہوئی اور سامراجی فضاؤں سے نکل کر مولانا نے نئی دنیا، امریکہ کا رخ کیا۔ ان کا امریکہ کا یہ پہلا سفر ایک امریکی سیاح مسٹر الیگزینڈر ویب کی دعوت پر ہوا تھا۔ امریکہ کی آزاد فضا میں انہیں اپنے افکار کو مزید وسعت دینے کا موقع ملا۔ وہیں سے انہوں نے جون ۱۹۰۵ میں مولانا حسرت موہانی کے مشہور رسالے "اردوئے معلیٰ" (علی گڑھ) کے لیے ایک انتہائی بصیرت افروز اور تاریخی مقالہ تحریر کیا۔ ہندوستان کی آزادی سے نصف صدی قبل لکھے گئے اس مقالے میں مولانا نے حیرت انگیز سیاسی اور معاشی شعور کا مظاہرہ کیا۔ انہوں نے اعداد و شمار سے ثابت کیا کہ کس طرح برطانوی جونکیں ہندوستان کا خون چوس رہی ہیں، اور کس طرح انگلستان کی پارلیمنٹ نے ظالمانہ ٹیکس لگا کر ہندوستان کی صدیوں پرانی صنعت و حرفت کو تباہ کر دیا ہے۔ اسی مقالے میں انہوں نے اس دور میں ایک انتہائی غیر مانوس اور جرات مندانہ آواز بلند کی کہ ہندوستان کی آزادی کے لیے ہندوؤں اور مسلمانوں کا باہمی اتحاد ناگزیر ہے۔ انہوں نے واضح کیا کہ جس طرح ۱۸۵۷ میں سب نے مل کر جدوجہد کی تھی، اب پھر وقت آ گیا ہے کہ اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر انڈین نیشنل کانگریس کے پلیٹ فارم سے یا دیگر مشترکہ جدوجہد کے ذریعے سامراج کا مقابلہ کیا جائے۔

بیسویں صدی کا سورج طلوع ہوا تو برکت اللہ کی سفارت کاری مشرقِ بعید کی طرف بڑھی۔ ۱۹۰۹ء میں جاپان پہنچے اور ٹوکیو یونیورسٹی میں مشرقی زبانوں کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ وہاں "اسلامک فریٹرنٹی" کے نام سے ایک جریدہ جاری کیا، اور بعد ازاں "الاسلام" کے نام سے ایک اخبار، جسے برطانوی ہند میں ممنوع قرار دے دیا گیا۔ نتیجتاً برطانوی دباؤ کے تحت ۱۹۱۴ء میں ان کی یونیورسٹی کی ملازمت ختم کر دی گئی۔ یہ خود ایک لمحہ فکریہ ہے، ایک اکیلے عالم کے قلم سے سلطنتِ برطانیہ خائف ہو گئی تھی۔ لیکن اس برطرفی نے برکت اللہ کا حوصلہ توڑنے کے بجائے انہیں مزید آزاد کر دیا انہوں نے پوری دنیا کو اپنا میدانِ عمل بنا لیا۔ ۱۹۱۳ء میں وہ سان فرانسسکو میں غدر پارٹی کے بانی اراکین میں شامل ہوئے، جس نے پنجابی تارکینِ وطن کی انقلابی توانائی کو ایک منظم تحریک کی شکل دی۔ غدر پارٹی کا واضح نصب العین برطانوی حکومت کا مسلح بغاوت کے ذریعے تختہ الٹنا اور ہندوستان میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ جمہوری حکومت کا قیام تھا۔ مولانا برکت اللہ اس پارٹی کے نمایاں ترین رہنماؤں میں سے تھے جنہوں نے امریکہ اور کینیڈا کے طوفانی دورے کیے، وہاں مقیم ہزاروں سکھ، ہندو اور مسلمان تارکینِ وطن کے دلوں میں حریت کی آگ بھڑکائی، اور اخبار "غدر" کے ذریعے شعلہ بار مقالات تحریر کیے۔ مولانا کی شائستگی، فراخ دلی اور وسیع النظری نے غدر پارٹی کے تمام مذاہب کے ارکان میں انہیں ایک قابلِ احترام قائد بنا دیا تھا، برکت اللہ نے، اپنی عمر اور علمی وقار کے ساتھ، اس نوجوان تحریک اور پرانے پان اسلامی نیٹ ورک کے درمیان ایک زندہ پل کا کام دیا۔

پھر ۱۹۱۴ء میں پہلی جنگ عظیم چھڑی، اور دنیا کا نقشہ بدلنے لگا۔ جرمنی میں مقیم ہندوستانی انقلابیوں نے "برلن کمیٹی" کے نام سے ایک تنظیم بنائی، اور برکت اللہ کو بھی اس کارواں میں شامل کیا گیا۔ قیصر ولیم دوم کی جانب سے راجا مہندر پرتاپ کی مہم کی تائید میں پیغامات بھجوائے گئے، اور یوں ایک شاہی دربار سے دوسرے شاہی دربار تک آزادی کا پیغام پہنچانے کا کٹھن سفر شروع ہوا۔ ۱۹۱۵ء میں نیدرمائر- ہینٹگ مہم کے تحت، جسے "کابل مشن" بھی کہا جاتا ہے، برکت اللہ، راجا مہندر پرتاپ اور دیگر برلن کمیٹی کے اراکین نے فارس کے صحراؤں کو عبور کر کے افغانستان کا رخ کیا۔ یہ سفر جان جوکھوں کا تھا، کبھی برطانوی اور روسی جاسوسوں سے بچنا، کبھی سنگلاخ صحراؤں میں دنوں تک پانی کی تلاش۔ اکتوبر ۱۹۱۵ء میں پغمان کے مقام پر امیر حبیب اللہ خان سے آٹھ گھنٹے طویل ملاقات ہوئی، جس میں برکت اللہ نے امیر کو برطانیہ کے خلاف اعلانِ جنگ کی دعوت دی اور ترک و جرمن افواج کو افغانستان سے گزرنے کی اجازت دینے کی تجویز پیش کی۔ امیر، جو نہایت محتاط طبیعت کے مالک تھے، نے اس وفد کو تاجروں سے تشبیہ دیتے ہوئے کہا کہ وہ اپنی پسند کے مطابق ہی سودا کریں گے، مگر اس محتاط رویے کے باوجود دروازہ بند نہ ہوا۔

اور پھر وہ تاریخی دن آیا جس نے ہندوستان کی جدوجہدِ آزادی کو ایک نیا رخ دیا۔ یکم دسمبر ۱۹۱۵ء کو، راجا مہندر پرتاپ کی اٹھائیسویں سالگرہ کے دن، کابل میں عبوری حکومتِ ہند کا اعلان ہوا، راجا مہندر پرتاپ صدر، مولانا برکت اللہ وزیر اعظم، اور مولانا عبید اللہ سندھی وزیرِ داخلہ مقرر ہوئے۔ یہ صرف ایک علامتی اقدام نہ تھا، یہ غلام ہندوستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ایک آزاد، خود مختار حکومت کا تصور تھا جو اپنی ہی سرزمین سے باہر، مگر اپنے ہی عوام کے نام پر قائم ہوئی تھی۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ اسی زمانے میں شیخ الہند مولانا محمود حسن اور ان کے رفیقِ خاص مولانا عبید اللہ سندھی کی ریشمی رومال تحریک بھی پوری آب و تاب سے جاری تھی۔ مولانا عبید اللہ سندھی کابل میں امیر افغانستان سے روابط استوار کر رہے تھے جبکہ شیخ الہند حجاز جا کر ترکوں سے مدد طلب کر رہے تھے، اور انہی خطوط کی صورت میں، جو ریشم کے کپڑے پر لکھے جاتے، غالب نامہ کے نام سے مشہور خفیہ پیغامات کا سلسلہ چلا۔ یوں دیوبند کی علمی روایت اور برلن کمیٹی کی جدید انقلابی سفارت کاری ایک ہی نکتے پر آ کر مل گئیں، کابل کی گلیوں میں، ایک ہی مقصد کے لیے۔ برکت اللہ نے افغان دربار کے سرکاری اخبار "سراج الاخبار" کی ادارت میں محمود طرزی کے دست و بازو کا کردار بھی ادا کیا، اور اسی اخبار کے ذریعے ہندوستان کی آزادی کا پیغام سرحد کے اس پار پہنچایا۔

لیکن سیاست کی راہیں کبھی سیدھی نہیں ہوتیں۔ ۱۹۱۷ء میں امیر حبیب اللہ خان ناراض ہو گئے اور برکت اللہ اور راجا مہندر پرتاپ کو افغانستان چھوڑنے کا کہا گیا۔ یہیں سے برکت اللہ کی زندگی کا وہ باب شروع ہوتا ہے جو ان کی سفارت کاری کی سب سے بلند پرواز ثابت ہوا۔

۱۹۱۷ میں جب روس میں بالشویک انقلاب برپا ہوا تو عالمی سیاست کا رخ یکسر تبدیل ہو گیا۔ مولانا برکت اللہ بھوپالی، جو ہر بدلتے ہوئے عالمی منظرنامے پر عقاب جیسی نظر رکھتے تھے، نے زارِ روس کے زوال کو مشرقی اقوام اور بالخصوص ہندوستان کی آزادی کے لیے ایک سنہری موقع سمجھا۔ وہ کابل سے دشوار گزار راستوں سے ہوتے ہوئے ماسکو پہنچ گئے۔ یہ ان کی عظیم سفارتی کامیابیوں میں سے ایک تھی کہ ۱۹۱۹ میں انہوں نے سوویت روس کے بانی اور عظیم اشتراکی رہنما ولادیمیر لینن سے ملاقات کی۔ روسی اخبار "پراودا" نے ان کا ایک تفصیلی انٹرویو شائع کیا جس میں انہوں نے واضح کیا کہ گو کہ وہ اشتراکیت (کمیونزم) کے حامی نہیں اور اسلام کے معاشی و سماجی نظام پر کامل یقین رکھتے ہیں، تاہم برطانوی سامراجیت کے خلاف جنگ میں سوویت روس اور مشرقی اقوام کے مفادات مشترک ہیں۔ انہوں نے لینن کو قائل کیا کہ جب تک ہندوستان برطانوی پنجۂ استبداد سے آزاد نہیں ہوتا، ایشیا میں سامراجیت کا خاتمہ ناممکن ہے۔ اس دور میں یہ بھی اطلاعات ملتی ہیں کہ انہوں نے یورپ کے دیگر طاقتور رہنماؤں، بشمول اٹلی وغیرہ کے سیاسی زعما، تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کی تاکہ ہندوستان کے حق میں ہر ممکنہ عالمی طاقت کا اخلاقی و مادی تعاون حاصل کیا جا سکے۔

وہ دنیا کے جس دارالحکومت میں بھی گئے، چاہے وہ برلن ہو، ماسکو ہو، پیرس ہو، ٹوکیو ہو یا سان فرانسسکو، ان کی حیثیت عام آدمی کی نہیں تھی، بلکہ وہ برطانوی ہندوستان کی مقید قوم کے ایک باوقار اور آزاد روح سفارت کار کی حیثیت سے دنیا کے سامنے کھڑے ہوئے۔ روس کے سفر کے دوران، ترکستان کے صحراؤں اور شہروں میں گھومتے ہوئے، برکت اللہ نے فارسی زبان میں ایک رسالہ تحریر کیا جس کا انگریزی عنوان "بالشیوزم اینڈ دی اسلامک باڈی پولیٹک" رکھا گیا، جو انہوں نے وسط ایشیا بھر میں تقسیم کیا، اور جس کی ایک نقل بالآخر برطانوی خفیہ ایجنسی کے ہاتھ لگی۔ اس رسالے میں انہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اشتراکیت کا وہ روحِ رواں، مظلوم مزدور اور کسان کو عزت و انصاف دلانا، دراصل اسلام کے پیغام سے کوئی اجنبی چیز نہیں، بلکہ اسی عدل و مساوات کی ایک اور صورت ہے جس کی طرف انبیاء نے دعوت دی تھی۔ یہ ایک نہایت جرات مندانہ فکری کاوش تھی، جس نے پان اسلامیت اور اشتراکیت کے درمیان ایک ایسا مکالمہ قائم کرنے کی کوشش کی جو اپنی مثال آپ تھا۔ برطانوی دفتر خارجہ کی ایک رپورٹ نے برکت اللہ کو پان اسلامی تحریک، "ایشیا برائے ایشیائی باشندے" کے تصور، اور ہندوستانی بغاوت، ان تینوں مختلف دھاروں کے درمیان ایک کڑی قرار دیا، جبکہ ایک جرمن سفارت کار نے ان کے بارے میں لکھا کہ وہ سب سے پہلے قوم پرست تھے اور اس کے بعد مسلمان، ایسی گواہیاں جو خود ان کے مخالفین کی زبان سے ان کی وسعتِ نظر کی تصدیق کرتی ہیں۔

برکت اللہ کی سفارت کاری کسی خزانے، کسی فوج، یا کسی مستقل سرزمین کے سہارے نہ تھی۔ ان کے پاس بس ایک زبان تھی، ایک قلم تھا، اور سرحدوں کو عبور کرنے کا عزم تھا۔ انگلستان، جرمنی، ترکی، افغانستان، روس، وسط ایشیا، جاپان، امریکہ، یہ سب اسٹیشن تھے اس ایک سفر کے جس کا مقصد ایک ہی تھا: ہندوستان کی آزادی کو ایک مقامی مسئلے سے نکال کر عالمی ضمیر کے سامنے پیش کرنا۔ یہی وہ کارنامہ ہے جسے تاریخ کے عام طالب علم اکثر نظر انداز کر دیتے ہیں کہ آزادی کی جنگ صرف دلی کی گلیوں یا پنجاب کے میدانوں میں نہیں، بلکہ ماسکو کے دربار، برلن کی راہداریوں اور کابل کے محلات میں بھی لڑی گئی، اور برکت اللہ اس محاذ کے صفِ اول کے سپاہی تھے۔

امان اللہ خان کے دورِ اقتدار میں افغانستان کی برطانیہ سے صلح ہو گئی تو کابل مشن کی سیاسی افادیت کمزور پڑنے لگی، مگر برکت اللہ کا حوصلہ ماند نہ پڑا۔ ۱۹۲۶ء میں وہ ایک بار پھر امریکہ لوٹے، اور وہاں مشہور افریقی نژاد رہنما مارکس گاروے کے ساتھ مل کر ایک ایسی جدوجہد میں شریک ہوئے جس کا مقصد استعمار کے خلاف عالمی مظلوموں کے اتحاد کو فروغ دینا تھا۔ ان کی زندگی کی آخری جھلک نہایت پرسوز ہے، ۱۹۲۷ء کی ایک گرم شام میری ول، کیلیفورنیا کے ایک ہال میں آٹھ سو سے زائد ہندوستانیوں کا مجمع جمع تھا۔ ایک بوڑھا، نحیف شخص اسٹیج پر آیا، ہمیشہ کی طرح پرجوش انداز میں تقریر شروع کی، مگر اچانک رک گیا، الفاظ اس کا ساتھ چھوڑ گئے۔ وہ آواز جس نے کبھی برطانوی سلطنت کے ایوانوں کو لرزا دیا تھا، اب خاموش ہونے والی تھی۔ ۲۰ ستمبر ۱۹۲۷ء کو سان فرانسسکو میں ذیابیطس کی پیچیدگیوں کے باعث ان کا انتقال ہو گیا۔ ان کے جنازے میں ہندو، سکھ اور مسلمان سب شریک ہوئے، گویا وہی اتحاد جس کی وہ ساری زندگی تبلیغ کرتے رہے، ان کی وفات پر عملی صورت میں سامنے آ گیا۔ ان کی میت سان فرانسسکو سے سیکرامنٹو لے جائی گئی، جہاں انہیں مسلم قبرستان میں سپردِ خاک کیا گیا اور وہ آج بھی اپنی مادرِ وطن سے ہزاروں میل دور، ایک اجنبی سرزمین میں آرام فرما ہیں۔

اگر ہم برکت اللہ بھوپالی کی زندگی کو ایک جملے میں سمیٹنا چاہیں تو یوں کہا جا سکتا ہے کہ ان کا وجود خود ایک متحرک سفارت خانہ تھا، بغیر عمارت، بغیر پرچم، بغیر تنخواہ کے عملے کے۔ ان کی آزادی کی آرزو، جس کی خاطر انہوں نے اپنا سارا جیون بیرونِ وطن گزار دیا، بالآخر ان کی وفات کے بیس برس بعد، ۱۹۴۷ء میں پوری ہوئی، اگرچہ وہ خود اسے دیکھنے کے لیے موجود نہ رہے۔ ۱۹۸۸ء میں ان کے اعزاز میں بھوپال یونیورسٹی کا نام تبدیل کر کے برکت اللہ یونیورسٹی رکھا گیا، جو ان کی خدمات کا ایک بہت ہی چھوٹا سا اعتراف ہے۔ مگر جس مقصد کے لیے انہوں نے پان اسلامیت اور اشتراکیت کے درمیان مکالمہ قائم کرنے کی کوشش کی، جس فرقہ وارانہ تعصب سے بالاتر عالمی مسلم یکجہتی کا خواب انہوں نے دیکھا، جس آزاد روح، نہ کسی سلطنت کی محتاج، نہ کسی نظریے کی اسیر کی وہ تجسیم تھے، وہ مقاصد آج بھی، سو برس گزر جانے کے باوجود، ادھورے ہیں۔ ملتِ اسلامیہ آج بھی اس بات کی محتاج ہے کہ اپنے مسائل کے حل کے لیے صرف داخلی سیاست پر انحصار نہ کرے، بلکہ برکت اللہ کی طرح دنیا کے ہر دربار، ہر زبان، اور ہر افکار کے دھارے میں اپنی بات پہنچانے کا حوصلہ پیدا کرے۔ ایک ایسا انسان جس نے بھوپال کی گلیوں سے کریملن کے دروازوں تک کا سفر محض اپنی زبان اور اپنے یقین کے سہارے طے کیا، اس سے سیکھنے کے لیے ابھی بہت کچھ باقی ہے، اور شاید یہی اس عظیم مردِ مجاہد کو سب سے بڑا خراجِ عقیدت ہو گا کہ ہم اس کے نامکمل خوابوں کی تکمیل کا بیڑا اٹھائیں۔

ڈاکٹر حسن مدنی ندوی
(ریسرچر اسلامک یونیورسٹی انڈونیشیا)

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

سُورۃُ عَبَس: ایک مختصر تعارف

محمد عبدالحفیظ اسلامی
خطیب مسجد صالحہ قاسمؒ و سینئر کالم نگار
حیدرآباد: ۹۸۴۹۰۹۹۲۲۸

قرآن حکیم کی یہ ۸۰ ویں سورۃ ”عبس“مکہ میں نازل شدہ سورت ہے اس میں ایک رکوع اور ۴۲ آیات کریمہ آئے ہیں۔ یہ قرآن پاک کے تیسویں پارہ کی ایک مشہور و معروف سورہ ہے جس کا آغاز عَبَسَ وَتَوَلّٰی کے کلمات سے ہوتا ہے ،اس سورہ مبارکہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تبارک و تعالیٰ عزوجل نے دعوت و تبلیغ کے پہلو سے تعلیم مرحمت فرمایا ہے کیونکہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو داعی اعظم ، رحمت عالم کی حیثیت سے مبعوث فرمایا گیا ہے۔اس طرح آپؐ ،دعوت الی الخیر والے مقام بلند پر فائز ہیں۔ چنانچہ آپ کی آمد کا مقصد نوع انسانی کوجہالت وگمراہی کے اندھروں سے نکال کرنورِ ہدایت کی شمع فروزاں کی طرف لے چلنا ہے۔ مذکورہ بالا سورہ کا ایک خاص، سببِ نزول ہے جو بالاتفاق مفسرین و محدثین نے بیان فرمایاہے۔

چنانچہ ایک اہم موقع پر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں مکہ مکرمہ کے چند بڑے سردار بیٹھے ہوئے تھے ایسے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کودین اسلام کی دعوت پیش فرماتے ہوئے اسلام قبول کرنے کی طرف مائل فرمارہے تھے۔ جو آپ کے منصب رسالت کا عین تقاضہ بھی تھا۔ ایسے موقع پر ایک مبارک شخصیت جن کا نام ابن ام مکتومؓ تھا۔ حضور اقدس کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دین کے بارے میں کچھ پوچھنے لگے، چنانچہ اس موقع پر ابن ام مکتوم (نابینا صحابی) کا حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوجانا، رسالت مآبؐ کو کچھ ناگوار ساہوا۔ چونکہ عبداللہ ابن اُم مکتوم نابینا ہونے کی وجہ سے حضور کی مجلس کی نوعیت سے ناواقف تھے۔ اور آتے ہی سوال کر بیٹھے کہ اے اللہ کے رسول مجھے وہ علم سکھایئے جو اللہ تعالی نے آپ کو عطا کیا ہے(یعنی دین کی باتیں) اس موقع پر حضرت عبداللہ ابن ام مکتومؓ کے آپؐ کی مجلس میں حاضر ہونے (Inquiry ، (Approach سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر ناگواری کے آثار ظاہر ہوگئے۔ چونکہ آداب مجالس کا تقاضہ بھی یہی تھا کہ پہلے سے کلام کا ایک سلسلہ چل رہاہے ، یہ ختم ہونے پر دوسری بات پیش کی جائے اور یہ بھی ایک حقیقت کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنا کوئی ذاتی یا شخصی کام نہیں فرمارہے تھے بلکہ ”بلغ ما انزل الیک“، کے حکم کی تعمیل میں دین اسلام کی تبلیغ کا ایک اہم فریضہ ادافرمارہے تھے۔ دوسری چیز یہ کہ حضرت عبداللہ ابن اُم مکتومؓ تو اپنے آدمی تھے۔ دین کی بات کسی دوسرے وقت بھی پوچھ سکتے تھے۔ اِدھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دلی خواہش یہ تھی کہ،مکہ کے یہ بڑے بڑے سرداراسلام قبول کرلیں تو بہت اچھا ہے۔ ایسے موقع پر یہ سورۃ عَبَسَ نازل ہوتی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم ہے کہ کون آپؐ کی نظر التفات کے اولین مستحق ہوسکتے ہیں۔ اور ساتھ ساتھ حضرت عبداللہ ابن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ کی دلجوئی بھی فرمائی گئی۔ گویا دنیا کو یہ بتادیا گیا کہ ایک دوسری جانب مکہ کے بڑے سردار ہیں اور اپنے نزدیک یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم اسلام قبول کریں تو ہی اسلام کا بھلا ہو گا اس طرح ان کی غلط فہمی کو ان آیات کے ذریعہ دور فرمادیا گیا۔ دراصل کفار قریش کے ان سرداروں پر ایک عتاب ہے جو اپنے تکبر؛ ہٹ دھرمی اور حق و صداقت سے بے نیازی کی بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ اور دعوت حق کو حقارت کے ساتھ رد کررہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرتؓ ابن اُم مکتومؓ کی (طلب علم میں) آمد پر جس طرح کا انداز” Bearing“اختیار فرمایا تھاوہ سراسر اخلاص اوردعوت حق کو فروغ دینے کا جذبہ تھا۔ غرض یہ کہ اس سورت میں جو اصل بات بتلانامقصود ہے وہ یہ کہ دعوت Call to islam کے نقطہ سے ہر وہ انسان اہمیت کا حامل ہے جو طالب حق ہو، اگرچیکہ وہ معاشرے میں کمزور اور بے اثر ہویا معذور، اس کے بالمقابل ہر وہ شخص غیر اہم ہی قرار پائے گا جو حق سے بے نیازی برتے ، خواہ وہ سماج میں کتنا ہی بڑا مانا جاتا ہو یا اونچا مقام رکھتا ہو۔ چنانچہ آپؐ اسلام کی تعلیمات تو سب کے سامنے رکھیں، مگر آپؐ کی توجہ کے اصل مستحق وہ لوگ ہیں جو اپنے اندر قبولیت حق کا جذبہ رکھتے ہوں، اس طرح سورت کے آغاز سے آیت کریمہ ۱۶ تک یہی مضمون چلا آیا ہے۔

اس سلسلہ میں مفسرین کرام نے اس کے کئ پہلو پیش فرماے ہیں، ان کے کچھ اقتباسات درج ذیل ہیں---

عَبَسَ وَتَوَلّٰی آیت ۱

(محمد مصطفٰے ﷺ) ترش رُو ہوئے اور منہ پھیر بیٹھے۔

علامہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ”تبلیغ دین میں فقیر و غنی سب برابر!

بہت سے مفسرین سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ قریش کے سرداروں کو اسلامی تعلیم سمجھارہے تھے اور مشغولی کے ساتھ ان کی طرف متوجہ تھے دل میں خیال تھا کہ کیا عجب اللہ انہیں اسلام نصیب کردے ناگہاں حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ آپ ﷺ کے پاس آئے، پرانے مسلمان تھے عموماً حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے اور دین اسلام کی تعلیم سیکھتے رہتے تھے اور مسائل دریافت کیا کرتے تھے، آج بھی حسب عادت آتے ہی سوالات شروع کئے اور آگے بڑھ بڑھ کر حضور ﷺ کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا آپ ﷺ چونکہ اس وقت ایک اہم امر دینی میں پوری طرح مشغول تھے ان کی طرف توجہ نہ فرمائی بلکہ ذرا گراں خاطر گزرا اور پیشانی پر بل پڑگئے اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں کہ آپ ﷺ کی بلند شان اور اعلیٰ اخلاق کے لائق یہ بات نہ تھی کہ اس نابینا سے جو ہمارے خوف سے دوڑتا بھاگتا آپ ﷺ کی خدمت میں علم دین سیکھنے کے لئے آئے اور آپ ﷺ اس سے منہ پھیر لیں اوراُن کی طرف متوجہ ہیں جو سرکش ہیں، مغرور و متکبر ہیں۔ (ابن کثیر)

مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں

”شان نزول میں جو واقعہ حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم نابینا صحابی کا نقل کیا گیا ہے اس میں بغوی نے یہ مزید روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ کو نابینا ہونے کے سبب یہ تو معلوم نہیں ہوسکا کہ آپ کسی دوسرے سے گفتگو میں مشغول ہیں، مجلس میں داخل ہوکر آنحضرت ﷺ کو آواز دینی شروع کی اور بار بار آواز دی۔ (مظہری) اورابن کثیر کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے ایک آیت قرآن پڑھوانے کا سوال کیا اور اس سوال کے فوری جواب دینے پر اصرار کیا اور رسول اللہ ﷺ اس وقت مکہ کے کفار سرداروں کو دین کی تبلیغ کرنے اور سمجھانے میں مصروف تھے۔ یہ سردار عتبہ بن ربیعہ، ابو جہل ابن ہشام اور آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت عباس تھے، جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو اس موقع پر عبداللہ ابن ام مکتوم کا اس طرح خطاب کرنا اور ایک آیت کے الفاظ درست کرنیکے معمولی سوال پر فوری جواب کے لئے اصرار کرنا ناگوار ہوا جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ عبداللہ ابن ام مکتوم پکے مسلمان اور ہر وقت کے حاضر باش تھے دوسرے اوقات میں بھی سوال کرسکتے تھے۔ ان کے جواب کے موخر کرنے میں کسی دینی نقصان کا خطرہ نہ تھا بخلاف روسائے قریش کے کہ نہ یہ لوگ ہر وقت آپکی خدمت میں آتے ہیں اور نہ ہر وقت ان کو اللہ کا کلمہ پہنچایا جاسکتا ہے، اسوقت یہ لوگ آپ کی بات سن رہے تھے جس سے انکے ایمان لانے کی توقع کی جاسکتی تھی اور ان کی بات کاٹ دی جاتی تو ایمان ہی سے محرومی ان کی ظاہر تھی۔ ان مجموعہ حالات کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے ابن ام مکتوم سے رخ پھیر کر اپنی ناگواری کا اظہار فرمایا اور جو گفتگو تبلیغ حق کی روسائے قریش کے ساتھ جاری تھی اس کو جاری رکھا، اس پر مجلس سے فارغ ہونے کے وقت سورۃ عبس کی آیات مذکورہ نازل ہوئیں جس میں آپ کے اس طرز عمل کو ناپسندیدہ قرار دے کر آپ کو ہدایت کی گئی۔

رسول اللہ ﷺ کا یہ طرز عمل اپنے اجتہاد پر مبنی تھا کہ جو مسلمان آداب مجلس کیخلاف طرز گفتگو اختیار کرے اس کو کچھ تنبہ ہونی چاہئے تاکہ آئندہ وہ آداب مجلس کی رعایت کرے اس کے لئے تو آپ نے حضرت ابن ام مکتوم سے رخ پھیر لیا، اوردوسری بات یہ تھی کہ بظاہر حال کفر و شرک سب سے بڑے گناہ ہیں انکے ازالہ کی فکر مقدم ہونا چاہئے بمقابلے دین کے فروعی احکام کی تعلیم کے جو عبداللہ ابن ام مکتوم چاہتے تھے مگر حق تعالیٰ جل شانہ نے آپ کے اس اجتہاد کو درست قرار نہیں دیا اور اس پر متنبہ فرمایا کہ یہاں قابل غور یہ بات تھی کہ ایک شخص جو آپ سے دینی تعلیم کا طالب ہو کر سوال کررہا ہے اسکے جواب کا فائدہ تو یقینی ہے اور جو آپکا مخالف ہے آپ کی بات سننا بھی پسند نہیں کرتا اس سے گفتگو کا فائدہ موہوم ہے، موہوم کو یقینی پر ترجیح ہونا چاہئے اور عبداللہ بن ام مکتوم سے جو آداب مجلس کیخلاف بات سرزد ہوئی ان کا عذر قرآن نے لفظ ”عمی“ کہ کر بتلادیا کہ وہ نابینا تھے اس لئے ان کو نہ دیکھ سکتے تھے کہ آپ اس وقت کس شغل میں ہیں، کن لوگوں سے گفتگو چل رہی ہے اسلئے وہ معذور تھے، مستحق اعراض نہیں تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی معذورآدمی سے بیخبری میں کوئی بات آداب مجلس کے خلاف ہوجائے تووہ قابل عتاب نہیں ہوتا۔ عبس وتولی، عبس کے معنے ترشروی اختیار کرنا یعنی چہرہ سے اظہار ناگواری کرنا اور تولی کے معنے رخ پھیر لینے ہیں۔ اس جگہ موقع اس کا تھا کہ یہ الفاظ آپ کو بصیغہ خطاب کہے جاتے کہ آپ نے ایسا کیا۔ لیکن قرآن کریم نے صیغہ خطاب کے بجائے صیغہ غائب اختیار کیا جس میں عتاب کی حالت میں بھی رسول اللہ ﷺ کا اکرام ملحوظ رکھا گیا اور صیغہ غائب اختیار کرکے یہ ابہام (ابہام کے معنی وہم میں ڈالنا) کیا کہ جیسے یہ کام کسی اورنے کیا ہو اشارہ اس طرف ہے کہ یہ کام آپ کے شایان شان نہیں اور دوسرے جملے میں خود رسول اللہ ﷺ کے عذر کی طرف اشارہ فرمادیا وما یدریک، (یعنی آپ کو کیا خبر) اس میں بتلادیا کہ اعراض کی وجہ یہ پیش آئی ہے کہ آپ کا دھیان اس طرف نہیں گیا کہ یہ صحابی جو کچھ دریافت کررہے ہیں اس کا اثر یقینی ہے اور غیروں سے گفتگو کا اثر موہوم۔ اور اس دوسرے جملے میں صیغہ غائب چھوڑ کر صیغہ خطاب کا اختیار فرمانے میں بھی رسول اللہ ﷺ کی تکریم اور دلجوئی ہے کہ اگر بالکل خطاب کا صیغہ استعمال نہ ہوتا تو یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ اس طرز عمل کی ناپسندیدگی ترک خطاب کا سبب بن گئی جو آنحضرت ﷺ کے لئے ایک ناقابل برداشت رنج والم ہوتا، اسلئے جس طرح پہلے جملہ میں خطاب کے بجائے غائب کا صیغہ استعمال کرنا رسول اللہ ﷺ کی تکریم ہے اسی طرح دوسرے جملے میں خطاب کرنا بھی آپ کی تکریم اور دلجوئی ہے۔ معارف القرآن

اور اسی طرح اَنۡ جَآءَہُ الۡاَعۡمٰی ؕ آیت ۲

اِس بات پر کہ وہ اندھا اُس کے پاس آگیا۔

مولانا مودودی رحمہ اللہ لکھتے ہیں،

”اس پہلے فقرے کا انداز بیان عجیب لطف اپنے اندر رکھتا ہے۔ اگرچہ بعد کے فقروں میں براہ راست رسول اللہ ﷺ کو خطاب فرمایا گیا ہے جس سے یہ بات خود ظاہر ہوجاتی ہے کہ ترش روئی اور بے رخی برتنے کا یہ فعل حضورؐ ہی سے صادر ہوا تھا لیکن کلام کی ابتدا اس طرح کی گئی ہے کہ گویا حضور نہیں بلکہ کوئی اور شخص ہے جس سے اس فعل کا صدور ہوا ہے۔ اس طرز بیان سے ایک نہایت لطیف طریقے پر رسول اللہ ﷺ کو احساس دلایا گیا ہے کہ یہ ایسا کام تھا جو آپ کے کرنے کا نہ تھا۔ آپ کے اخلاق عالیہ کو جاننے والا اسے دیکھتا تو یہ خیال کرتا کہ یہ آپؐ نہیں ہیں بلکہ کوئی اور ہے جو اس رویے کا مرتکب ہو رہا ہے۔ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ کی بلندی اور لوگوں کے ساتھ آپ کے حسن سلوک بیمثال تھے جسکی گواہی بشمول مخالفین کہ ہر آدمی دے سکتا تھا ”مرتب“)۔ جن نابینا کا یہاں ذکر کیا گیا ہے ان سے مراد، جیسا کہ ہم دیباچے میں بیان کر آئے ہیں، مشہور صحابی حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ ہیں۔ حافظ ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں اور حافظ ابن حجر نے الاصابہ میں بیان کیا ہے کہ یہ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پھوپھی زاد بھائی تھے، ان کی ماں ام مکتوب اور حضرت خدیجہؓ کے والد خویلد آپس میں بہن بھائی تھے۔ حضورؐ کے ساتھ ان کا یہ رشتہ معلوم ہوجانے کے بعد اس شبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ آپ نے ان کو غریب یا کم حیثیت آدمی سمجھ کر ان سے بے رخی برتی اور بڑے آدمیوں کی طرف توجہ فرمائی تھی، کیونکہ یہ حضورؐ کے اپنے برادر نسبتی تھے، خاندانی آدمی تھے، کوئی گرے پڑے آدمی نہ تھے۔ اصل وجہ جس کی بنا پر آپ نے ان کے ساتھ یہ رویہ اختیار کیا، لفظ اعمٰی (نابینا) سے معلوم ہوتی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کی بے اعتنائی کے سبب کی حیثیت سے خود بیان فرما دیا ہے۔ یعنی حضور کا یہ خیال تھا کہ میں اس وقت جن لوگوں کو راہ راست پر لانے کی کوشش کررہاہوں ان میں سے کوئی ایک آدمی بھی ہدایت پالے تو اسلام کو تقویت کا بڑا ذریعہ بن سکتا ہے، بخلاف اس کے ابن مکتوب ایک نابینا آدمی ہیں، اپنی معذوری کے باعث یہ اسلام کے لیے اس قدر مفید ثابت نہیں ہوسکتے جس قدر ان سرداروں میں سے کوئی مسلمان ہوکر مفید ہوسکتا ہے، اس لیے ان کو اس موقع پر گفتگو میں مداخلت نہیں کرنی چاہیے، یہ جو کچھ سمجھنایا(دین کی بات) معلوم کرنا چاہتے ہیں اسے بعد میں کسی وقت بھی دریافت کرسکتے ہیں فسیر تفہیم القرآن

۳”وما یدرک-----یزکی“۔ (اورآپ کیا جانے شائد وہ پاکیزہ تر ہوجاتا) اسکی تشریح فرماتے ہوے علامہ پیر محمد کرم شاہ علیہ الرحمہ یوں رقم طراز ہوے کہ ”حضرت عبداللہ کے پاسِ خاطر کی وجہ بتائ جارہی ہے کہ وہ کفار جن کی طرف آپ ہمہ تن متوجہ تھے۔ ان میں سے کسی کے دل میں طلبِ حق کا جزبہ نہ تھا۔ انہیں تو اپنی دولت کا گھمنڈ اور اپنے رئیس ہونے پر ناز تھا۔ وہ آپ کی دعوت کو سمجھنے اور سمجھ کر اس کو قبول کرنے کی نیت سے حاضر نہیں ہوے تھے۔ بلکہ آپکی خصوصی توجہ کے باعث وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہوگئے تھے کہ اسلام کو ان کی بڑی ضرورت ہے۔ اگر انہوں نے اس دعوت کو قبول نہ کیا تو اسلام کی ترقی اور عروج کے امکانات ختم ہوکر رہ جائیں گے۔ ان نادانوں نے اس حقیقت کو نہ سمجھا کہ بیماروں کو مسیحا کی ضرورت ہوتی ہے، یاساچشموں کا محتاج ہوا کرتا ہے نہ کہ اس کے برعکس۔ غیرت خداوندی یہ کب گوارا کرسکتی تھی کہ وہ اپنے دل میں اسلام اور ہادی اسلام کے بارے میں اس قسم کے تصورات جگہ دیں اور یہ درویش تو (عبداللہ بن ام مکتومؓ) پہلے ہی حق کی شمع اپنے سینہ میں فروزاں کرچکا تھا اور حضور کی غلامی (تابعداری) سے عہد وفا باندھ چکا تھا۔ ان ازلی محروموں کے ساتھ جو کوشش ہورہی تھی، انہیں اس کا کوئ فائدہ پہنچنے والا نہ تھا۔ البتہ اسے آپ جو سیکھاتے، وہ اسے حرز جان بناتا۔ صدق دل سے اس پر عمل کرتا، اس کا آیئنہ دل اورشفاف اور تابناک ہوجاتا“ (ضیاءالقرآن حاشیہ ۳)

اور آگے یہ بات بھی صاف طور پر فرمادی گئ کہ ”ہرگز نہیں، یہ تو ایک نصیحت ہے! یعنی ان لوگوں کو اہمیت نہ دو جو اپنی وجاہت ، تکبر اور غرور میں مبتلا ہوکر آپؐ کی دعوت حق پر توجہ نہیں دیتے اوراپنے کو کچھ اور سمجھ بیٹھے ہیں، کہ انکے مسلمان ہوئے، بغیر اسلام کا قافلہ آگے نہیں بڑھ سکتا۔---حقیقت یہ ہے کہ حق ان سے اتنا ہی بے نیاز ہے جتنے یہ حق سے بے نیاز رہنا چاہتے ہیں۔ پس آپ کی دعوت تو ایک نصیحت ہے جس کا جی چاہے وہ اسے قبول کرلے۔ یہ بات تمہارے سامنے جو رکھی جارہی ہے یہ تو ایسے صحیفوں میں درج ہے جو، Honourable Respectedمکرم ہیں: بلند مرتبہ ہیں، پاکیزہ ہیں: یعنی یہ بلند وبالا ہونے کے ساتھ اس کی خوبی یہ ہے کہ یہ ہر طرح کی ملاوٹ و آمیزشوں سے بلکل پاک ہے خواہ انسانی تخیلات ہوں یا شیطانی وساوس، ان سب چیزوں سے یہ صحیفے پاک رکھے گئے ہیں۔ جاری-----

ضمنی انتخابات کے نتائج! امید کے چراغ پھر جلنے لگے ہیں

ٹی ایم ضیاء الحق

ٹی ایم ضیاء الحق

ملک کی تین ریاستوں میں منعقد ہونے والے اسمبلی ضمنی انتخابات کے نتائج نے سیاسی حلقوں میں ایک نئ بحث چھیڑ دی ہے۔ بہار، مدھیہ پردیش اور گجرات کے ان انتخابات نے یہ سوال پیدا کردیا ہے کہ کیا حالیہ GenZed Protest نے عوامی رائے، خصوصاً نوجوان ووٹروں کی سیاسی سوچ پر کوئی اثر ڈالا ہے، یا یہ نتائج صرف مقامی سیاسی حالات اور امیدواروں کی مقبولیت کا نتیجہ ہیں؟

ضمنی انتخابات میں بہار کے ضلع پٹنہ کی بانکی پور اسمبلی سیٹ، جو ۱۹۹۵ سے بھارتیہ جنتا پارٹی کا مضبوط قلعہ سمجھی جاتی تھی، وہاں بی جے پی کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ دوسری طرف مدھیہ پردیش کی دتیہ اسمبلی سیٹ پر کانگریس نے اپنی نشست برقرار رکھتے ہوئے کامیابی حاصل کی، جبکہ گجرات کی مانجل پورا اسمبلی سیٹ پر بی جے پی اپنی برتری برقرار رکھنے میں کامیاب رہی۔ اس طرح تین نشستوں میں سے بی جے پی نے دو میں مقابلہ کیا، جن میں ایک جیتی اور ایک ہارگئی، جبکہ کانگریس نے اپنی نشست برقرار رکھی۔

بھارتیہ جنتا پارٹی کے لیے بانکی پور اسمبلی نشست غیر معمولی اہمیت رکھتی ہے۔ اس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ بہار میں پہلی مرتبہ بی جے پی کا ایک رہنما وزیر اعلیٰ بنا ہے، اور اس کے فوراً بعد اسی حلقے میں ضمنی انتخاب ہورہا ہے۔ دوسری اہم وجہ یہ ہے کہ بی جے پی کے قومی صدر نتن نوین اسی حلقے سے رکن اسمبلی تھے۔ قومی صدر بننے کے بعد انہوں نے بانکی پورا سمبلی نشست سے استعفٰی دے دیا، جس کے نتیجے میں یہاں ضمنی انتخاب کرایا جارہا ہے

بظاہر یہ صرف تین نشستوں کے نتائج ہیں، لیکن ہندوستان کی سیاست میں ضمنی انتخابات کو ہمیشہ بڑے سیاسی رجحانات کا آئینہ سمجھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان نتائج کو محض تین حلقوں تک محدود رکھنے کے بجائے ان کے سیاسی اور سماجی اثرات پر بھی غور کیا جارہا ہے۔

گزشتہ کچھ عرصے سے نوجوانوں کی قیادت میں ہونے والے GenZed Protest نے بہار سمیت مختلف علاقوں میں حکومت، روزگار ، تعلیم، شفافیت، انتظامی اصلاحات اور عوامی مسائل کو قومی بحث کا حصہ بنا دیا تھا۔ اس تحریک نے خاص طور پر نوجوان نسل کو سیاسی طور پر متحرک کیا اور انہیں یہ احساس دلایا کہ سیاست صرف ذات برادری، مذہبی شناخت یا روایتی نعروں تک محدود نہیں رہنی چاہیے بلکہ اس کا مرکز عوامی فلاح، ترقی اور جوابدہی ہونا چاہیے۔

یہ کہنا شاید قبل از وقت ہو گا کہ ان ضمنی انتخابات کے نتائج مکمل طور پر اسی احتجاجی تحریک کا نتیجہ ہیں، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ سیاسی ماحول کبھی بھی عوامی تحریکوں سے الگ نہیں رہتا۔ جب نوجوان بڑی تعداد میں سڑکوں پر آتے ہیں، اپنے مطالبات کو منظم انداز میں پیش کرتے ہیں اور سیاسی جماعتوں سے جواب طلب کرتے ہیں تو اس کا اثر عوامی رائے پر ضرور پڑتا ہے۔

بہار کی سیاست طویل عرصے سے ذات پات کے پیچیدہ سماجی توازن، مذہبی پولرائزیشن اور شخصیات کے گرد گھومتی رہی ہے۔ ہر انتخاب میں امیدواروں کی صلاحیت سے زیادہ ان کی ذات، برادری اور سیاسی اتحاد کو اہمیت دی جاتی رہی۔ لیکن گزشتہ چند برسوں میں نوجوان ووٹروں کے ایک بڑے طبقے نے اس طرزِ سیاست پر سوالات اٹھانے شروع کیے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر تعلیم، روزگار، صنعت، صحت اور بنیادی ڈھانچے کے مسائل حل نہیں ہوتے تو صرف جذباتی نعروں سے ریاست ترقی نہیں کرسکتی۔

اسی لیے اب سیاسی جماعتیں بھی اپنی انتخابی مہم میں روزگار، سرمایہ کاری، صنعتی ترقی، خواتین کی سلامتی، معیاری تعلیم، صحت کی سہولیات اور نوجوانوں کے مستقبل جیسے موضوعات کو پہلے سے زیادہ اہمیت دینے پر مجبور ہوئی ہیں۔ یہ تبدیلی اگرچہ مکمل نہیں، لیکن اس کے آثار ضرور دکھائی دے رہے ہیں۔

اسی تناظر میں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ بہار کے عوام ایسی سیاست کے مستحق ہیں جس کا مرکز تعلیم، روزگار، صنعتی ترقی، صحت، زرعی اصلاحات، خواتین کو بااختیار بنانا، سماجی انصاف اور اچھی حکمرانی ہو۔ جمہوریت اسی وقت پھلتی پھولتی ہے جب شہری اپنی رائے دہی کارکردگی، دیانت داری اور مستقبل کے واضح وژن کی بنیاد پر کریں، نہ کہ موروثی یا شناختی وابستگیوں کی بنیاد پر۔ اگر سیاسی جماعتیں عوام کی ان حقیقی ترجیحات کو اپنی پالیسیوں اور انتخابی منشور کا حصہ بنائیں تو نہ صرف عوام کا اعتماد مضبوط ہو گا بلکہ جمہوری نظام بھی مزید مستحکم اور بامعنی بن سکے گا۔

بانکی پور جیسے شہری حلقے میں بی جے پی کی شکست نے بھی کئی سوالات کھڑے کیے ہیں۔ شہری علاقوں کے ووٹر عموماً تعلیم یافتہ ہوتے ہیں اور حکمرانی، شہری سہولیات، مہنگائی، بے روزگاری اور معاشی مواقع جیسے مسائل کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ یہیں سے بھارتیہ جنتا پارٹی کے قومی صدر نیتن نوین رکن اسمبلی تھے۔- اگر ایسے علاقوں میں روایتی سیاسی برتری کمزور پڑتی ہے تو سیاسی جماعتوں کو اپنے طرزِ حکمرانی اور عوامی رابطے کا از سرِ نو جائزہ لینا پڑتا ہے۔

دوسری جانب دتیہ میں کانگریس کی کامیابی یہ ظاہر کرتی ہے کہ جہاں تنظیم مضبوط ہو، مقامی قیادت فعال ہو اور عوامی رابطہ برقرار رکھا جائے، وہاں سیاسی اعتماد کو برقرار رکھا جاسکتا ہے۔ اسی طرح مانجل پور میں بی جے پی کی جیت یہ بھی بتاتی ہے کہ ہر ریاست اور ہر حلقے کے اپنے الگ سیاسی حالات ہوتے ہیں اور کسی ایک قومی رجحان کو تمام نتائج پر منطبق نہیں کیا جاسکتا۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ ضمنی انتخابات کو ہمیشہ عام انتخابات کا مکمل پیمانہ نہیں سمجھا جاتا۔ ان میں ووٹنگ کا تناسب، مقامی اتحاد، امیدوار کی شخصیت، علاقائی مسائل اور انتخابی حکمت عملی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اس لیے ان نتائج سے بہت بڑے سیاسی نتائج اخذ کرنے میں احتیاط ضروری ہے۔

تاہم ایک حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ ہندوستان کی نوجوان نسل کی ترجیحات تیزی سے تبدیل ہو رہی ہیں۔ آج کا نوجوان بہتر تعلیم، باعزت روزگار، جدید انفراسٹرکچر، صنعت، سرمایہ کاری، شفاف حکومت اور مؤثر انتظامیہ چاہتا ہے۔ وہ سیاسی جماعتوں سے صرف وعدے نہیں بلکہ نتائج بھی مانگ رہا ہے۔ یہی تبدیلی مستقبل کی سیاست کا رخ متعین کرسکتی ہے۔

اگر سیاسی جماعتیں اب بھی صرف ذاتی مساوات، مذہبی جذبات یا روایتی انتخابی فارمولوں پر انحصار کرتی رہیں تو ممکن ہے کہ نوجوان ووٹران سے دور ہوتے جائیں۔ اس کے برعکس وہ جماعتیں جو عوامی مسائل کو سنجیدگی سے سمجھیں گی، مؤثر پالیسیاں پیش کریں گی اور اپنی کارکردگی سے اعتماد حاصل کریں گی، مستقبل میں زیادہ مضبوط حیثیت اختیار کرسکتی ہیں۔

GenZed Protest کا سب سے بڑا اثر شاید یہی ہے کہ اس نے سیاست کے مرکز میں دوبارہ عوامی مسائل کو لانے کی کوشش کی ہے۔ خواہ انتخابی نتائج پر اس کا براہِ راست اثر ثابت ہو یا نہ ہو، لیکن اس نے سیاسی جماعتوں کو یہ احساس ضرور دلایا ہے کہ نئی نسل کی توقعات بدل چکی ہیں اور اب صرف جذباتی نعروں سے عوام کو مطمئن رکھنا آسان نہیں رہا۔

ان ضمنی انتخابات کے نتائج کو اسی تناظر میں دیکھا جانا چاہیے۔ یہ نتائج شاید کسی سیاسی انقلاب کا اعلان نہ ہوں، لیکن یہ ضرور اشارہ دیتے ہیں کہ ہندوستانی سیاست ایک تدریجی تبدیلی کے مرحلے سے گزر رہی ہے، جہاں شناخت کی سیاست کے ساتھ ساتھ کارکردگی، جوابدہی، ترقی اور عوامی مسائل بھی فیصلہ کن عوامل بنتے جارہے ہیں۔

اگر یہ رجحان برقرار رہا تو آنے والے برسوں میں ہندوستان، خصوصاً بہار کی سیاست، زیادہ پالیسی پر مبنی، جوابدہ اور عوامی مسائل سے جڑی ہوئی دکھائی دے سکتی ہے۔ یہی کسی بھی مضبوط جمہوریت کی اصل علامت ہے کہ ووٹر اپنی رائے ذات، مذہب یا خاندان کی بنیاد پر نہیں بلکہ کارکردگی، دیانت داری، وژن اور عوامی خدمت کی بنیاد پر قائم کریں

دورِ حاضر کے فتنے اور ہماری ذمہ داریاں

از: محمد شمیم احمد نوری مصباحی
خادم: دارالعلوم انوارِ مصطفیٰ، سہلاؤ شریف، ضلع باڑمیر (راجستھان)

اللہ وحدہ لاشریک نے اس دنیا کو دارالامتحان بنایا ہے، جہاں ہر انسان کو مختلف حالات، خواہشات، نعمتوں اور آزمائشوں کے ذریعے آزمایا جاتا ہے۔ تاریخِ انسانی کا ہر دور اپنے ساتھ کچھ مخصوص چیلنجز اور فتنے لے کر آیا، لیکن موجودہ دور اس اعتبار سے نہایت منفرد اور حساس ہے کہ آج فتنوں نے اپنی شکلیں، ذرائع اور انداز بدل لیے ہیں۔ اب یہ صرف میدانوں، بازاروں، گلی کوچوں یا ایوانوں تک محدود نہیں رہے، بلکہ گھروں، تعلیمی اداروں، ذرائع ابلاغ، موبائل فونوں، سوشل میڈیا، بلکہ انسان کے دل و دماغ اور فکر و عقیدہ تک رسائی حاصل کر چکے ہیں۔

سائنسی ترقی، جدید ٹیکنالوجی اور برق رفتار ذرائعِ ابلاغ بلاشبہ اللہ رب العزت کی عظیم نعمتیں ہیں، لیکن جب یہی نعمتیں دین سے غفلت، اخلاقی انحطاط، بے حیائی، مادہ پرستی، فکری انتشار اور گناہوں کے فروغ کا ذریعہ بن جائیں تو وہ انسان کے لیے آزمائش بلکہ فتنہ بن جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج کا انسان ظاہری آسائشوں میں پہلے سے کہیں زیادہ ترقی یافتہ دکھائی دیتا ہے، مگر روحانی سکون، اخلاقی پاکیزگی، خاندانی محبت، باہمی اعتماد، صلہ رحمی اور ایمانی حرارت میں نمایاں کمی محسوس کی جا رہی ہے۔

آج دولت میں اضافہ ہوا ہے مگر قناعت کم ہوگئی ہے؛ ذرائعِ ابلاغ بے شمار ہیں مگر سچائی نایاب ہوتی جا رہی ہے؛ تعلقات کا دائرہ وسیع ہوا ہے مگر اخلاص، محبت اور خیر خواہی ماند پڑتی جا رہی ہے۔ حق و باطل، خیر و شر اور حلال و حرام کے درمیان امتیاز دھندلا ہوتا جا رہا ہے۔ یہی وہ حالات ہیں جنہیں قرآنِ کریم نے مختلف مقامات پر "فتنہ" سے تعبیر فرمایا ہے۔

فتنہ صرف مصیبت یا آزمائش کا نام نہیں، بلکہ ہر وہ چیز فتنہ ہے جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے دور کرے، دین سے غافل بنائے اور گناہوں کی طرف مائل کر دے۔ جب برائیاں عام ہونے لگیں، نیکی اجنبی محسوس ہونے لگے، گناہ باعثِ فخر سمجھا جانے لگے اور دین پر عمل دشوار محسوس ہونے لگے تو سمجھ لینا چاہیے کہ معاشرہ ایک گہرے اخلاقی اور فکری بحران سے گزر رہا ہے۔

ایسے نازک حالات میں ہر مسلمان کی ذمہ داری پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ اسلام فقط چند عبادات کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے، جو فرد، خاندان، معاشرہ اور ریاست سب کی اصلاح کا جامع پیغام دیتا ہے۔ اگر ہر مسلمان اپنی ذمہ داری کو پہچان لے اور اپنی ذات سے اصلاح کا آغاز کرے تو معاشرے کی بہت سی برائیاں خود بخود ختم ہو سکتی ہیں۔

دورِ حاضر کے فتنوں کی حقیقت:

قرآنِ مجید نے واضح فرمایا ہے کہ دنیا آزمائش کی جگہ ہے، جہاں انسان کو خوش حالی اور تنگ دستی، نعمت اور مصیبت، آسانی اور دشواری ہر حال میں آزمایا جاتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: «﴿وَنَبْلُوكُم بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۖ وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ﴾

ترجمہ: "اور ہم تمہیں بھلائی اور برائی دونوں کے ذریعے آزماتے ہیں، اور آخرکار تمہیں ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔"(سورۃ الانبیاء:۳۵)»

اس آیتِ کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آزمائش صرف مصیبتوں کے ذریعے نہیں ہوتی بلکہ نعمتیں، دولت، شہرت، اقتدار، علم، جدید ٹیکنالوجی اور دیگر سہولتیں بھی انسان کے لیے امتحان ہیں۔ اگر بندہ انہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق استعمال کرے تو یہی نعمتیں اس کی کامیابی کا ذریعہ بن جاتی ہیں، اور اگر وہ انہی نعمتوں کو گناہ، تکبر، غفلت اور نافرمانی میں استعمال کرے تو یہی اس کے لیے فتنہ ثابت ہوتی ہیں۔

رسولِ اکرم ﷺ نے آنے والے زمانوں کے فتنوں سے امت کو خبردار کرتے ہوئے فرمایا:

«« بَادِرُوا بِالْأَعْمَالِ فِتَنًا كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ، يُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَيُمْسِي كَافِرًا، وَيُمْسِي مُؤْمِنًا وَيُصْبِحُ كَافِرًا، يَبِيعُ دِينَهُ بِعَرَضٍ مِنَ الدُّنْيَا

بنائے اور گناہوں کی طرف مائل کر دے۔ جب برائیاں عام ہونے لگیں، نیکی اجنبی محسوس ہونے لگے، گناہ باعثِ فخر سمجھا جانے لگے اور دین پر عمل دشوار محسوس ہونے لگے تو سمجھ لینا چاہیے کہ معاشرہ ایک گہرے اخلاقی اور فکری بحران سے گزر رہا ہے۔

ایسے نازک حالات میں ہر مسلمان کی ذمہ داری پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ اسلام فقط چند عبادات کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے، جو فرد، خاندان، معاشرہ اور ریاست سب کی اصلاح کا جامع پیغام دیتا ہے۔ اگر ہر مسلمان اپنی ذمہ داری کو پہچان لے اور اپنی ذات سے اصلاح کا آغاز کرے تو معاشرے کی بہت سی برائیاں خود بخود ختم ہو سکتی ہیں۔

دورِ حاضر کے فتنوں کی حقیقت:

قرآنِ مجید نے واضح فرمایا ہے کہ دنیا آزمائش کی جگہ ہے، جہاں انسان کو خوش حالی اور تنگ دستی، نعمت اور مصیبت، آسانی اور دشواری ہر حال میں آزمایا جاتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: «﴿وَنَبْلُوكُم بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۖ وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ﴾

ترجمہ: "اور ہم تمہیں بھلائی اور برائی دونوں کے ذریعے آزماتے ہیں، اور آخرکار تمہیں ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔"(سورۃ الانبیاء:۳۵)»

اس آیتِ کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آزمائش صرف مصیبتوں کے ذریعے نہیں ہوتی بلکہ نعمتیں، دولت، شہرت، اقتدار، علم، جدید ٹیکنالوجی اور دیگر سہولتیں بھی انسان کے لیے امتحان ہیں۔ اگر بندہ انہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق استعمال کرے تو یہی نعمتیں اس کی کامیابی کا ذریعہ بن جاتی ہیں، اور اگر وہ انہی نعمتوں کو گناہ، تکبر، غفلت اور نافرمانی میں استعمال کرے تو یہی اس کے لیے فتنہ ثابت ہوتی ہیں۔

رسولِ اکرم ﷺ نے آنے والے زمانوں کے فتنوں سے امت کو خبردار کرتے ہوئے فرمایا:

«« بَادِرُوا بِالْأَعْمَالِ فِتَنًا كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ، يُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَيُمْسِي كَافِرًا، وَيُمْسِي مُؤْمِنًا وَيُصْبِحُ كَافِرًا، يَبِيعُ دِينَهُ بِعَرَضٍ مِنَ الدُّنْيَا

ترجمہ: "نیک اعمال میں جلدی کرو، اس سے پہلے کہ ایسے فتنے آئیں جو تاریک رات کے ٹکڑوں کی مانند ہوں۔ آدمی صبح ایمان والا ہوگا اور شام کو کفر کی حالت میں پہنچ جائے گا، یا شام کو ایمان والا ہوگا اور صبح کفر کی حالت میں، اور وہ دنیا کے معمولی فائدے کے بدلے اپنا دین بیچ دے گا۔"(صحیح مسلم، حدیث: ۱۱۸)» یہ حدیثِ مبارکہ اس حقیقت کی طرف رہنمائی کرتی ہے کہ فتنوں کے دور میں ایمان کی حفاظت محض دعووں سے نہیں بلکہ صحیح عقیدے، علمِ دین، تقویٰ، اعمالِ صالحہ، ذکرِ الٰہی، استقامت اور اللہ تعالیٰ سے مضبوط تعلق کے ذریعے ہی ممکن ہے۔

آج کے دور میں فتنوں کی کثرت نے انسان کو ہر طرف سے گھیر رکھا ہے۔ فکری گمراہیاں، الحاد، مادہ پرستی، بے حیائی، جھوٹی خبریں، سوشل میڈیا کا غلط استعمال، مصنوعی ذہانت (AI) کا غیر اخلاقی استعمال، سودی نظام، اخلاقی بے راہ روی اور دینی بے حسی ایسے فتنے ہیں جن سے ہر شخص کسی نہ کسی درجے میں متاثر ہو رہا ہے۔ اس لیے ان کی حقیقت کو سمجھنا اور ان سے بچاؤ کی تدابیر اختیار کرنا ہر مسلمان کی دینی و اخلاقی ذمہ داری ہے۔

ہماری اصل ذمہ داری:

ایسے پُرفتن دور میں سب سے پہلی اور بنیادی ذمہ داری اپنے ایمان، عقیدے، عبادات، اخلاق اور کردار کی حفاظت ہے۔ اس کے بعد اپنے گھر، اہلِ خانہ، اولاد، معاشرے اور آنے والی نسلوں کی دینی و اخلاقی تربیت کی فکر کرنا بھی ہماری شرعی ذمہ داری ہے۔ جو شخص صرف دوسروں کی اصلاح کا خواہاں ہو مگر اپنی اصلاح سے غافل رہے، وہ حقیقی تبدیلی پیدا نہیں کر سکتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

«﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا﴾

ترجمہ: "اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔"(سورۃ التحریم:۶)»

یہ آیت اصلاحِ نفس اور اصلاحِ خاندان کا بنیادی منشور ہے۔ ایک صالح فرد ہی صالح خاندان کی بنیاد بنتا ہے، اور صالح خاندان ہی ایک صالح معاشرے کی تشکیل کرتا ہے۔

لہٰذا وقت کا تقاضا ہے کہ ہم وقتی جذبات سے نکل کر مستقل اصلاحی جدوجہد اختیار کریں؛ اپنے گھروں کو قرآنِ کریم کی تلاوت، ذکرِ الٰہی اور دینی تعلیم سے آباد کریں؛ مساجد سے اپنا تعلق مضبوط بنائیں؛ نوجوانوں کی صحیح دینی و اخلاقی رہنمائی کریں؛ سوشل میڈیا اور جدید ذرائعِ ابلاغ کو خیر، علم اور دعوتِ دین کے فروغ کا ذریعہ بنائیں، اور اپنی عملی زندگی کے ذریعے اسلام کے حسنِ اخلاق، دیانت، عدل، محبت اور خدمتِ خلق کا نمونہ پیش کریں۔

اگر ہم اخلاص، حکمت اور استقامت کے ساتھ ان ذمہ داریوں کو ادا کریں تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے نہ صرف ہم خود فتنوں سے محفوظ رہ سکتے ہیں بلکہ اپنے معاشرے اور آنے والی نسلوں کے ایمان و کردار کی حفاظت میں بھی مؤثر کردار ادا کر سکتے ہیں۔

دورِ حاضر کے نمایاں فتنے اور ہماری اصلاحی ذمہ داریاں:

فتنے ہر دور میں رہے ہیں، مگر موجودہ زمانے کے فتنے اس اعتبار سے زیادہ خطرناک ہیں کہ یہ نہایت خاموشی، دلکشی اور خوش نما انداز میں انسان کے عقیدہ، فکر، کردار اور طرزِ زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ بہت سی برائیاں ایسی ہیں جنہیں آج "ترقی"، "روشن خیالی"، "آزادیٔ اظہار" اور "جدید تہذیب" کے خوبصورت عنوانات دے کر پیش کیا جا رہا ہے، حالانکہ ان کے نتائج فرد، خاندان اور پورے معاشرے کے لیے نہایت تباہ کن ہیں۔

لہٰذا ضروری ہے کہ ہم ان فتنوں کو صرف پہچانیں ہی نہیں بلکہ قرآن و سنت کی روشنی میں ان کے اسباب، نقصانات اور علاج کو بھی سمجھیں۔

۱۔ دینی بے راہ روی اور عبادات سے غفلت:

یہ موجودہ دور کا سب سے بڑا فتنہ ہے۔ آج بہت سے مسلمان اسلام سے محبت کا دعویٰ تو کرتے ہیں، لیکن نماز، تلاوتِ قرآن، ذکرِ الٰہی، سنتِ نبوی ﷺ اور دینی احکام پر عمل میں غفلت برتتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«"بندے اور کفر کے درمیان فرق نماز چھوڑ دینا ہے۔"
(صحیح مسلم، حدیث:۸۲)»

جب بندہ اپنے رب سے تعلق کمزور کر لیتا ہے تو شیطان اس پر آسانی سے غلبہ پا لیتا ہے، پھر گناہ معمول بن جاتے ہیں اور نیکی بوجھ محسوس ہونے لگتی ہے۔

اصلاح کا طریقہ:

- پانچوں وقت کے نماز کی پابندی۔
- روزانہ قرآنِ کریم کی تلاوت اور ترجمے کا مطالعہ۔
- صبح و شام کے مسنون اذکار۔
- علمائے اہلِ سنت کی صحبت اور دینی اجتماعات میں شرکت۔
- اپنے گھر میں دینی ماحول پیدا کرنا۔

۲۔ سوشل میڈیا اور ڈیجیٹل دنیا کا بے جا استعمال:

سوشل میڈیا ایک عظیم نعمت بھی ہے اور ایک بڑا امتحان بھی۔ اگر اسے دعوتِ دین، تعلیم، اصلاحِ معاشرہ اور خیر کے فروغ کے لیے استعمال کیا جائے تو یہ صدقۂ جاریہ بن سکتا ہے، لیکن اگر اسے جھوٹ، غیبت، بہتان، فحاشی، وقت کے ضیاع، کردار کشی اور نفرت انگیزی کے لیے استعمال کیا جائے تو یہی ایک خطرناک فتنہ ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

«﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا﴾

"اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو۔"(سورۃ الحجرات:۶)»

آج فیک نیوز، جعلی ویڈیوز، مصنوعی ذہانت (AI) کے ذریعے تیار کردہ گمراہ کن مواد، افواہیں اور کردار کشی لمحوں میں لاکھوں لوگوں تک پہنچ جاتی ہے۔ اس لیے ہر مسلمان پر لازم ہے کہ تحقیق کے بغیر کسی خبر یا ویڈیو کو آگے نہ بڑھائے۔

ہماری ذمہ داری:

- ہر خبر کی تحقیق کریں۔
- جھوٹ، افواہ اور نفرت انگیز مواد سے اجتناب کریں۔
- سوشل میڈیا کو دعوت، تعلیم اور اصلاح کا ذریعہ بنائیں۔
- روزانہ اپنے موبائل کے استعمال کا محاسبہ کریں۔

۳۔ بے حیائی، فحاشی اور عفت کا بحران:

حیا ایمان کا زیور ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «"حیا ایمان کا حصہ ہے۔"
(صحیح بخاری، صحیح مسلم)»

آج فلموں، ڈراموں، اشتہارات، مختصر ویڈیوز، فحش ویب سائٹس اور سوشل میڈیا کے مختلف ذرائع سے بے حیائی کو عام کیا جا رہا ہے۔ افسوس کہ جس چیز کو اسلام گناہ قرار دیتا ہے، اسے جدید تہذیب آزادی اور ترقی کا نام دیتی ہے۔

اس فتنے کا سب سے زیادہ اثر نوجوان نسل، خاندانی نظام اور معاشرتی پاکیزگی پر پڑ رہا ہے۔

اصلاح:

- نگاہوں کی حفاظت۔
- پردے کی پابندی۔
- پاکیزہ دوست اور ماحول کا انتخاب۔
- والدین بچوں کی اخلاقی تربیت پر خصوصی توجہ دیں۔
- گھروں میں دینی غیرت اور حیا کا ماحول پیدا کیا جائے۔

۴۔ جھوٹ، غیبت، بہتان اور کردار کشی:

آج زبان کے ساتھ ساتھ انگلی بھی گناہوں کا ذریعہ بن چکی ہے۔ پہلے غیبت چند افراد تک محدود رہتی تھی، اب ایک پوسٹ، تبصرہ یا ویڈیو لاکھوں لوگوں تک پہنچ جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے غیبت کو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تشبیہ دی ہے۔(سورۃ الحجرات:۱۲)

مسلمان کی شان یہ ہے کہ اس کی زبان، قلم، تحریر اور سوشل میڈیا سب دوسروں کے لیے امن و سلامتی کا ذریعہ ہوں۔

۵۔ سود، رشوت اور حرام کمائی:

معاشرے کی اخلاقی تباہی کی ایک بڑی وجہ حلال و حرام کی تمیز کا ختم ہونا ہے۔ سود، رشوت، ملاوٹ، دھوکہ دہی، ذخیرہ اندوزی اور ناجائز کمائی کو بعض لوگ کاروباری ذہانت سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور معاشرتی بے برکتی کا سبب ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے حلال روزی کو عبادت کا حصہ قرار دیا ہے، اور قرآنِ کریم نے سود کے خلاف نہایت سخت وعید بیان فرمائی ہے۔

(سورۃ البقرۃ:۲۷۵تا۲۷۹)

۶۔ نشہ، جوا اور اخلاقی تباہی:

شراب، منشیات، سگریٹ، گٹکا، نشہ آور اشیاء، آن لائن جوئے، سٹے بازی اور دیگر لتیں نوجوان نسل کو جسمانی، ذہنی، مالی اور روحانی اعتبار سے تباہ کر رہی ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: «﴿إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ... رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ﴾»

«(سورۃ المائدۃ:۹۰)»

اسلام ہر اس چیز سے منع کرتا ہے جو عقل، صحت، مال، عزت اور دین کو نقصان پہنچائے۔

۷۔ الحاد، دہریت اور فکری گمراہی:

عصرِ حاضر کا ایک نہایت خطرناک فتنہ الحاد اور بے دینی ہے۔ انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا کے ذریعے نوجوانوں کے ذہنوں میں دین، قرآن، سنت اور اسلامی تعلیمات کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کیے جا رہے ہیں۔

اس کا علاج صرف جذباتی ردِّ عمل نہیں بلکہ صحیح دینی تعلیم، مضبوط عقیدہ، مطالعۂ قرآن، سیرتِ رسول ﷺ اور مستند علماء سے رابطہ ہے۔

۸۔ خاندانی نظام کا بحران:

گھروں میں محبت، احترام، صبر، برداشت اور صلہ رحمی کمزور پڑتی جا رہی ہے۔ والدین کی نافرمانی، میاں بیوی کے اختلافات، طلاق کی بڑھتی شرح، رشتہ داروں سے بے تعلقی اور بچوں کی دینی تربیت سے غفلت پورے معاشرے کو متاثر کر رہی ہے۔

اسلام نے خاندان کو معاشرے کی بنیاد قرار دیا ہے۔ مضبوط خاندان ہی مضبوط امت کی ضمانت ہیں۔

۔ وقت کا ضیاع اور بے مقصد زندگی:

وقت اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے، جس کے بارے میں قیامت کے دن سوال ہوگا۔

آج گھنٹوں موبائل، کھیل، فضول ویڈیوز اور بے مقصد مشاغل میں گزر جاتے ہیں، مگر عبادت، مطالعہ، والدین کی خدمت، علم اور خدمتِ خلق کے لیے وقت نہیں نکلتا۔

کامیاب وہی ہے جو اپنے وقت کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق استعمال کرے۔

۱۰۔ فرقہ واریت، نفرت اور باہمی انتشار:

امتِ مسلمہ آج جن بڑے مسائل سے دوچار ہے، ان میں باہمی نفرت، بدزبانی، تعصب اور انتشار بھی شامل ہیں۔ علمی اختلاف اگر اخلاق، احترام اور دلیل کے ساتھ ہو تو رحمت ہے، لیکن جب وہ گالی، بے جا تکفیر، تحقیر اور دشمنی میں بدل جائے تو امت کی طاقت کمزور ہو جاتی ہے۔

ہمیں اپنے عقائد پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہتے ہوئے بھی حسنِ اخلاق، عدل، انصاف اور خیر خواہی کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔

۱۱۔ نوجوان نسل اور ہماری ذمہ داری:

نوجوان کسی بھی قوم کا سرمایہ ہوتے ہیں۔ اگر ان کی فکر، عقیدہ، کردار اور اخلاق محفوظ ہوں تو قوم کا مستقبل محفوظ ہوتا ہے۔

لہٰذا نوجوانوں کو چاہیے کہ:

- علمِ دین اور عصری علوم دونوں حاصل کریں۔
- سیرتِ نبوی ﷺ کا مطالعہ کریں۔
- صالح دوستوں کا انتخاب کریں۔
- والدین، اساتذہ اور علماء سے وابستہ رہیں۔
- اپنی صلاحیتوں کو امت اور ملک و ملت کی خدمت کے لیے وقف کریں۔

الغرض دورِ حاضر کے یہ تمام فتنے اگرچہ مختلف صورتوں میں نظر آتے ہیں، لیکن حقیقت میں ان کی جڑ ایک ہی ہے، اور وہ ہے اللہ تعالیٰ سے دوری، علمِ دین کی کمی، اخلاقی کمزوری اور خواہشاتِ نفس کی پیروی۔

جب ایمان مضبوط ہوگا، قرآن و سنت سے تعلق مستحکم ہوگا، سیرتِ مصطفیٰ ﷺ ہماری عملی زندگی کا حصہ بنے گی، اور اخلاص و تقویٰ ہمارے کردار کی بنیاد بنیں گے، تو یہی معاشرہ دوبارہ امن، محبت، دیانت، عدل اور خیر کا گہوارہ بن سکتا ہے۔

فتنوں کا مقابلہ صرف تنقید سے نہیں، بلکہ علم، عمل، حکمت، صبر اور مسلسل اصلاحی جدوجہد سے کیا جا سکتا ہے۔ یہی انبیائے کرام علیہم السلام اور صالحین کا طریقہ رہا ہے، اور یہی امت کی کامیابی کا راستہ ہے۔

فتنوں کے مقابلے میں ہماری بنیادی ذمہ داریاں:

دورِ حاضر کے فتنوں کا مقابلہ صرف جذباتی نعروں، وقتی مہمات یا وقتی جوش و خروش سے ممکن نہیں، بلکہ اس کے لیے مسلسل علمی، فکری، روحانی اور عملی جدوجہد درکار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان کو اس کی استطاعت کے مطابق ذمہ دار بنایا ہے۔ لہٰذا عالم ہو یا طالبِ علم، والدین ہوں یا اولاد، تاجر ہوں یا ملازم، استاد ہوں یا صحافی، ہر شخص پر اپنی حیثیت کے مطابق اصلاحِ نفس اور اصلاحِ معاشرہ کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: «﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾»

ترجمہ: "نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو، اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔"(سورۃ المائدۃ:۲)

یہ آیت اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ اصلاحِ معاشرہ صرف علماء یا دینی اداروں کی ذمہ داری نہیں بلکہ پوری امتِ مسلمہ کی مشترکہ ذمہ داری ہے۔

۱۔ ایمان اور عقیدہ کی حفاظت: ہر مسلمان کی سب سے پہلی ذمہ داری اپنے ایمان اور صحیح عقیدے کی حفاظت ہے، کیونکہ ایمان ہی تمام اعمال کی بنیاد ہے۔ اگر بنیاد کمزور ہو جائے تو عبادات، اخلاق اور معاملات بھی متاثر ہو جاتے ہیں۔

موجودہ دور میں مختلف باطل نظریات، الحاد، دہریت، مادہ پرستی اور گمراہ کن افکار نوجوانوں کے اذہان کو متاثر کر رہے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ عقائدِ اہلِ سنت کا علم حاصل کیا جائے، قرآن و سنت کا مطالعہ کیا جائے اور مستند علماء سے رہنمائی لی جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

«﴿يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ﴾»

ترجمہ: "اللہ ایمان والوں کو مضبوط بات (ایمان) کے ذریعے دنیا اور آخرت میں ثابت قدم رکھتا ہے۔"(سورۃ ابراھیم: ۲۷)

۲۔ قرآن و سنت سے مضبوط تعلق:

قرآنِ مجید صرف تلاوت کی کتاب نہیں بلکہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے، اور سنتِ رسول ﷺ زندگی کے ہر شعبے میں بہترین نمونہ ہے۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم قرآن کو صرف ثواب کی نیت سے نہ پڑھیں بلکہ اس کا ترجمہ، تفسیر اور پیغام بھی سمجھیں، اور اپنی عملی زندگی کو اس کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کریں۔

رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

« "تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور دوسروں کو سکھائے۔" » (صحیح بخاری)

۳۔ اصلاحِ نفس کو مقدم رکھنا:

اسلام میں اصلاح کا آغاز اپنی ذات سے ہوتا ہے۔ دوسروں کی اصلاح کی فکر یقیناً ضروری ہے، مگر سب سے پہلے اپنے ایمان، اخلاق، زبان، نگاہ، معاملات اور کردار کا جائزہ لینا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: «﴿قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّاهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَن دَسَّاهَا﴾»

ترجمہ: "بے شک وہ کامیاب ہوا جس نے اپنے نفس کو پاک کر لیا، اور وہ نامراد ہوا جس نے اسے گناہوں میں دبا دیا۔"(سورۃ الشمس:۹-۱۰)

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب یہ حکمت آموز قول نہایت معنی خیز ہے:

« "لوگ اپنے اعمال کی وجہ سے اتنا بدلتے ہیں جتنا حکمرانوں کے فیصلوں سے نہیں بدلتے۔" »

لہٰذا معاشرے کی حقیقی تبدیلی کا آغاز اپنی ذات سے ہونا چاہیے۔

۴۔ والدین کی ذمہ داری:

والدین اپنی اولاد کے پہلے معلم اور مربی ہوتے ہیں۔ بچوں کو صرف دنیاوی تعلیم دلانا کافی نہیں بلکہ ان کے دلوں میں ایمان، محبتِ رسول ﷺ، نماز، قرآن، حسنِ اخلاق، ادب، حیا اور خدمتِ والدین کے جذبات بھی پیدا کرنا ضروری ہے۔

آج کے دور میں موبائل فون، انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا نے بچوں کی فکری تشکیل میں بڑا کردار اختیار کر لیا ہے، اس لیے والدین کو چاہیے کہ وہ محبت، حکمت اور نگرانی کے ساتھ ان کی رہنمائی کریں۔

گھر کا ماحول اگر دینی، محبت بھرا اور با اخلاق ہوگا تو بچے بھی صالح اور باکردار بنیں گے۔

۵۔ علماء، ائمہ، اساتذہ اور اہلِ قلم کی ذمہ داری:

علماء، ائمۂ مساجد، اساتذہ، مصنفین، صحافی اور خطباء معاشرے کے فکری رہنما ہوتے ہیں۔ ان کی تحریر، تقریر اور کردار لاکھوں لوگوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

اس لیے ان کی ذمہ داری ہے کہ:

- قرآن و سنت کی صحیح تعلیمات عام کریں۔
- امت میں امید، محبت اور اتحاد پیدا کریں۔
- اختلافات کو شائستگی اور علمی انداز سے بیان کریں۔
- نوجوانوں کے ذہنی اور فکری سوالات کا حکمت سے جواب دیں۔- اپنی تحریروں اور تقاریر کو اصلاحِ امت کا ذریعہ بنائیں، نہ کہ شہرت یا تنازع کا۔

اہلِ قلم کی سیاہی اگر اخلاص سے لکھی جائے تو وہ نسلوں کی تقدیر بدل سکتی ہے۔

۶۔ نوجوانوں کی ذمہ داری:

نوجوان کسی بھی قوم کی سب سے بڑی قوت اور قیمتی سرمایہ ہوتے ہیں۔ اگر ان کی توانائیاں صحیح رخ پر صرف ہوں تو وہ قوم کو عروج تک پہنچا سکتے ہیں، اور اگر وہ گمراہی کا شکار ہو جائیں تو معاشرہ زوال کی طرف بڑھ جاتا ہے۔

نوجوانوں کو چاہیے کہ:

- اپنے وقت کی قدر کریں۔
- نماز، تلاوت اور ذکر کو معمول بنائیں۔
- علمِ دین اور عصری علوم میں مہارت حاصل کریں۔
- مطالعے کی عادت اپنائیں۔
- والدین، اساتذہ اور بزرگوں کا احترام کریں۔
- اپنی صلاحیتوں کو امت، ملک اور انسانیت کی خدمت کے لیے وقف کریں۔

یاد رکھیں! آج کا باکردار نوجوان ہی کل کا صالح قائد، مخلص عالم، دیانت دار تاجر اور کامیاب رہنما بنے گا۔

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

ملک ہند میں ہر سال ۱۰ ہزار سے زائد کسانوں کی خودکشی، ذمہ دار کون؟

سرفراز احمد قاسمی حیدرآباد
رابطہ: ۸۰۹۹۶۹۵۱۸۶

پچھلے دنوں شہر حیدرآباد کے علاقے شمس آباد کے قریب بہادر گوڑہ گاؤں میں مجوزہ بلیٹ ٹرین ہب کے لیے ۱۶۵۰ ایکڑ اراضی کی باڑبندی کے دوران، پیدا ہونے والی کشیدگی ایک بار پھر اس بنیادی سوال کو سامنے لے آئی ہے کہ کیا ترقیاتی منصوبوں کو مقامی لوگوں کے حقوق اور معاشی تحفظ کو نظرانداز کر کے آگے بڑھایا جاسکتا ہے؟ یہ کیسی حکومت ہے جو عوام کے بنیادی حقوق اور انکے معاشی تحفظ کا بالکل کوئی خیال نہیں رکھنا چاہتی؟ آخر یہ کیسی ترقی ہے جو عوامی مفاد سے پرے ہے؟ پھر ایسی ترقی کا کیا مطلب ہوسکتا ہے؟ ترقی ہر ریاست کی اہم ضرورت ہے لیکن اگر اس کی قیمت کسانوں کے روزگار اور سماجی استحکام کی صورت میں ادا کی جائے تو یہ ترقی اپنے مقصد سے کوسوں دور ہوجاتی ہے پھر ایسی ترقی کا کوئی مطلب نہیں رہ جاتا، مرکزی حکومت کی جانب سے حیدرآباد کو پونے (مہاشٹرا) چنئی (تامل ناڈو) اور بنگلور (کرناٹک) یعنی تین ریاستوں سے جوڑنے والی تیز رفتار ریل راہداری منصوبے، مستقبل کے ہندوستان کی جدید انفراسٹرکچر پالیسی کا اہم حصہ ہیں، اسی منصوبے کے تحت شمس آباد کے راجیو گاندھی بین الاقوامی ایئرپورٹ کے قریب، بلیٹ ٹرین ہب قائم کرنے کی تجویز پیش کی گئی ہے۔ بلا شبہ ایسے منصوبے، سرمایہ کاری، روزگار اور اقتصادی ترقی کے نئے مواقع پیدا کرتے ہیں لیکن ان کی کامیابی کا انحصار اس بات پر بھی ہے کہ متاثرہ آبادی کو کس حد تک اعتماد میں لیا جاتا ہے؟ بہادر گوڑہ کے کسانوں کا موقف ہے کہ اگرچہ ان کے پاس اراضی کی ملکیت کے سرکاری دستاویزات نہیں ہیں لیکن وہ برسوں سے اس زمین پر کاشتکاری کرتے آرہے ہیں اور یہی ان کی روزی روٹی کا واحد ذریعہ ہے۔ دوسری جانب سرکاری ادارے، خصوصا ریونیو محکمہ اور ہائیڈرا سرکاری ریکارڈ کی بنیاد پر اس زمین کو سرکاری ملکیت قرار دے رہے ہیں۔ یہ قانونی تنازع اپنی جگہ اہم ہے لیکن اس سے بھی زیادہ اہم سوال ان درجنوں خاندان کے مستقبل کا ہے جو پچھلے کئی دہائیوں سے اس زمین اور اسکی کاشت کاری پر انحصار کرتے رہے ہیں، تشدد، جھڑپیں، گرفتاریاں اور احتجاج کسی مسئلے کا پائیدار حل نہیں ہوتے۔ اگر مظاہرین نے قانون ہاتھ میں لیا تو یہ قابل مذمت ہے لیکن ریاستی اداروں کی ذمہ داری بھی ہے کہ وہ طاقت کے استعمال سے پہلے بات چیت اور اعتماد سازی کو ترجیح دیں۔ ترقیاتی منصوبوں میں، عوامی رضامندی اور شفافیت ہی دیرپا کامیابی کی ضمانت ہوتی ہے۔ حکومت اگر واقعی اس منصوبے کو عوامی مفاد کا منصوبہ سمجھتی ہے تو اسے چاہیے کہ وہ متاثرہ کسانوں کے لیے منصفانہ معاوضہ، متبادل زمین یا مناسب بعض آباد کاری کا جامع پیکج پیش کرے۔ صرف یہ کہنا کہ یہ سرکاری زمین ہے، اس سے سرکار کی ذمہ داری ہرگز ختم نہیں ہوسکتی، یہ ان لوگوں کے معاشی نقصان کا ازالہ نہیں کرسکتا، جنہوں نے برسوں اس زمین کو قابل کاشت بنایا اور اپنی زندگی اس سے وابستہ رکھی، ایک عرصے تک انکے پاس رہی، محنت، جدوجہد، جانفشانی کی یہ کیسی قیمت ہے جو انھیں ادا کرنی پڑرہی ہے؟ کیا حکومت اپنی مرضی سے جب اور جس وقت چاہے گی اسطرح کی زمین اپنے قبضے میں لیکر اسکیم بنائے گی اور عوام کے دکھ درد کا کوئی خیال نہیں کیا جائے گا؟ آخر یہ کیسے ملک میں ہم لوگ رہ رہے ہیں؟ جہاں عوام، غریب، مزدور اور کسانوں کے خوابوں کو پیروں تلے روندا جارہا ہے، غریبوں کی ساری کمائی ایک جھٹکے میں ہوا ہورہی ہے۔ اوپر کے اس واقعے سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ ہندوستان میں زمین کے ریکارڈ کو جدید اور شفاف بنانے کی ضرورت پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئی ہے، زمین کی ملکیت اور استعمال سے متعلق ابہام اکثر ایسے تنازعات کو جنم دیتے ہیں، اسلئے ضرورت ہے کہ ملک بھر کے گوشے گوشے میں زمین کے ریکارڈ کو جدید اور شفاف بنایا جائے، اس سے متعلق کاغذات کے لئے شفافیت برتی جائے تاکہ زمین سے متعلق ملکیت اور اسکے استعمال میں جو ابہام رہتا ہے وہ ختم ہو، صرف زمین کی ملکیت اور اسکے استعمال کا مسئلہ ہی غور طلب نہیں ہیں بلکہ کئی دیگر ایسے مسائل ہیں جو فوری حل طلب ہیں اور پیچیدہ ہوتے جارہے ہیں، موسمی تبدیلی اور فصلوں کو نقصانات کے نتیجے میں ملک میں کسانوں کی خودکشی کے واقعات کوئی نئی بات نہیں ہے، مرکزی و ریاستی حکومتوں کی جانب سے کسانوں اور زرعی شعبے کی بھلائی کے بلند بانگ دعوے تو کیے جاتے ہیں لیکن حکومت کی جانب سے جاری کئے جانے والے اسکیمات کے فوائد حقیقی کسانوں تک نہیں پہنچ پارہے ہیں، اسکی کیا وجہ ہے؟ ایک رپورٹ کے مطابق گزشتہ ایک دہے کے دوران ملک میں ہر سال ۱۰ ہزار سے زائد کسان خودکشی کررہے ہیں، گزشتہ چند برسوں میں کسانوں کی خودکشی کے واقعات میں ہر سال معمولی فرق دیکھا گیا۔ ۲۰۱۵ میں ۱۲۶۰۲ کسانوں نے خودکشی کی تھی، اسکے بعد کے برسوں میں خودکشی کرنے والے کسانوں کی تعداد میں کمی واقع ہوئی ہے اور ۲۰۲۴ میں ۱۰۵۴۶ کسانوں کی خودکشی کے واقعات منظر عام پر آئے، زرعی شعبے کے ماہرین کا کہنا ہے کہ معاشی دباؤ، فصلوں کو نقصان، قرض اور غیر متوقع موسمی حالات کے نتیجے میں کسان ہر سال بھاری نقصانات کا سامنا کررہے ہیں، حکومتوں کی جانب سے قرض معافی کا اعلان کیا جاتا ہے لیکن اسکیم سے استفادہ کے لیے سخت شرائط کے سبب چھوٹے اور متوسط کسان قرض کی ادائیگی کے پوزیشن میں نہیں ہوتے اور فائنانس کے بڑھتے دباؤ کے نتیجے میں وہ خودکشی پر مجبور ہورہے ہیں، قومیائے ہوئے بینکوں اور کوآپریٹیو بینک کی جانب سے قرض کی ادائیگی کے لیے قانونی طریقہ سے دباؤ بنایا جاتا ہے۔ حالانکہ ہر سال ۱۰ ہزار کسانوں کی خودکشی کے سرکاری اعداد وشمار پر ماہرین کو شبہات ہیں، ان کا کہنا ہے کہ کئی ایسے واقعات ہیں جو عہدے داروں کے علم میں آنے کے باوجود، انہیں خودکشی کے زمرے میں شامل نہیں کیا جاتا، دیہی سطح پر زرعی شعبے کے لیے ایک مستحکم امدادی نظام اور فصلوں کے مناسب معاوضے کو یقینی بناتے ہوئے، زرعی شعبے کو خوشحال بنایا جاسکتا ہے، زرعی شعبے کو مفت برقی سربراہی کے باوجود کسانوں کے معاشی بوجھ میں کوئی خاص کمی نہیں آئی ہے۔

سوال یہ ہے کہ جب اتنی بڑی تعداد میں پورے ملک میں کسانوں کی خودکشی ہورہی ہے اور وہ اپنی جان سے ہاتھ دھورہے ہیں تو آخر اس کا ذمہ دار کون ہے؟ اور حکومت اس سلسلے میں کیا اقدام کررہی ہے؟ کیا حکومت کی یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ اس طرح کے حالات سے نمٹنے کے لیے جنگی خطوط پر کام کرے اور لوگوں کی زندگیوں کے تحفظ کو یقینی بنائے آخر اتنی بڑی تعداد میں کسانوں کی خودکشی کا ذمہ دار کون ہے؟ کئی ریاستوں میں آج بھی کسان سڑکوں پر ہیں، مدھیہ پردیش کے بھوپال اور دیگر کئی شہروں سے یہ خبر آرہی ہے کہ وہاں کسان سڑکوں پر ہیں سراپا احتجاج ہیں۔ سوال یہ ہے کہ آخر انکے مسائل کب حل ہونگے؟ کسان آندولن تحریک کے دوران ۷۰۰ سے زائد کسانوں نے خودکشی کی تھی۔

حکومت نے کسانوں سے کیے گئے وعدے پورے نہیں کیے، جن میں فصلوں کی کم از کم امدادی قیمت (MSP) کی قانونی ضمانت اور کسانوں کی آمدنی دوگنی کرنے کے مطالبات ہنوز تشنۂ طلب ہیں، اگرچہ حکومت نے ایم ایس پی کی شرح میں باقاعدہ اضافہ اور کسان سمان ندھی جیسی اسکیمیں جاری رکھی ہیں۔ لیکن حکومتی اقدامات اور دعوے بڑا فرق نظر آتا ہے، حکومت ہر سال فصلوں کی پیداواری لاگت سے کم از کم ۵۰ فیصد زیادہ منافع کے تحت ایم ایس پی میں اضافہ کرتی ہے۔ پی ایم کسان سمان ندھی کے ذریعے کسانوں کے بینک اکاؤنٹ میں براہ راست مالی امداد منتقل کی جاتی ہے۔ زرعی بجٹ میں اضافہ اور خوراک کے غلے کی پیداوار میں ریکارڈ بہتری آئی ہے۔ یہ حکومت کا دعوی ہے جبکہ کسان تنظیمیں ایم ایس پی پر خریداری کی قانونی ضمانت کا مطالبہ کررہی ہیں، جو اب تک منظور نہیں ہوا۔ ۲۰۲۰-۲۰۲۱ کی کسان آندولن تحریک کے دوران حکومت نے جو وعدے (جیسے قرض معافی اور سوامی ناتھن کمیشن کی سفارشات پر عمل) کیے تھے، وہ اب تک پورے نہیں کیے گئے، متنازع زرعی قوانین ۲۰۲۱ء میں واپس لینے کا حکومت نے اعلان کیا تھا اور باضابطہ طور پر اسے پارلیمنٹ سے منسوخ کردیا گیا تھا۔ ۱۹ نومبر ۲۰۲۱ء کو وزیر اعظم نریندر مودی نے قوم سے خطاب میں تینوں زرعی قوانین واپس لینے کا اعلان کیا تھا۔ پھر ۲۹ نومبر ۲۰۲۱ء کو پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں (لوک سبھا اور راجیہ سبھا) نے 'فارم لاز ریپیل بل ۲۰۲۱' پاس کرکے ان قوانین کو منسوخ کردیا تھا۔ لیکن اسکے باوجود کسانوں کے یہاں کچھ نہیں بدلا اور اسی لئے خودکشی کا سلسلہ رکا نہیں ہے اب بھی جاری ہے۔

عالمی ادارے کی ایک رپورٹ کے مطابق دنیا کی ہر ایک لاکھ آبادی میں سے ۱۲ لوگ خودکشی کرتے ہیں، عام طور پر سمجھا یہی جاتا ہے کہ خودکشی کم لوگ کرتے ہیں، شاید یہی وجہ ہے کہ اس کے خلاف کوئی بڑی عالمگیر تحریک نہیں چلائی جارہی ہے، جبکہ کرونا وائرس کے بعد کئی ملکوں کی اقتصادی حالت خستہ ہوئی ہے، بڑی تعداد میں لوگوں کو بے روزگار ہونا پڑا ہے، جسکی وجہ سے خودکشی کرنے والوں کی تعداد بھی بڑھی ہے، حالات کی سنگینی کو دیکھتے ہوئے، حال ہی میں کچھ سال پہلے برطانیہ اور جاپان نے باضابطہ طور پر وزیر تنہائی بنادیا ہے تاکہ وہ لوگوں کو تنہائی سے بچائے، ان کے خودکشی کرنے کی وجوہات کا پتہ لگاکر ان وجوہات کو ختم کریں اور لوگوں کو اپنے قیمتی زندگی کی اہمیت کا احساس دلائیں، جاپانی حکومت نے اپنا پہلا وزیر تنہائی مقرر کیا ہے، وزیر تنہائی کی اہمیت ہر ملک کے لیے اس لیے بھی نظر آتی ہے کیونکہ خودکشی کرنے والوں کی تعداد کرونا کی آمد سے پہلے ہی اچھی خاصی تھی، مہذب دنیا کا ایک ڈراونا سچ یہ بھی ہے کہ ہر ۴۰ سیکنڈ میں خودکشی کے ایک سے زائد واقعات رونما ہوتے ہیں، ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن نے کئی سال قبل ایک رپورٹ جاری کی تھی، اس رپورٹ کو ۱۰ سال کے ریسرچ کے بعد تیار کیا گیا تھا، ریسرچ کرنے والوں نے پوری دنیا سے اس کے لیے اعداد وشمار یکجا کیے تھے اور انھیں کی بنیاد پر ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن نے یہ چونکانے والی بات کہی تھی کہ دنیا میں ہر ۴۰ سیکنڈ میں ایک سے زائد آدمی خودکشی کرلیتا ہے، ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن کے لیے ۱۰ سال تک ریسرچ کرنے کے بعد ریسرچ کرنے والوں نے اندازہ لگایا تھا کہ پوری دنیا میں ہر سال تقریبا ۸۰۰،۰۰۰ لوگ خودکشی کرتے ہیں، ۱۵ سے ۲۹ سال کی عمر کے لوگوں کی موت کی ایک دوسری وجہ خودکشی ہے، چنانچہ برطانیہ میں خودکشی کے خلاف مہم چلانے والے جونی بنجامن کی اس بات سے عدم اتفاق کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ اس سلسلے میں عوام میں زیادہ بیداری ہونی چاہیے، اسکولوں میں بھی اس سلسلے میں زیادہ تعلیم دی جانی چاہیے، مگر ان باتوں کے ساتھ گھر میں بہتر ماحول رکھنا ضروری ہے، بچوں سے محبت کرنی چاہیے مگر انہیں زیادہ حساس نہیں بننے دینا چاہیے، زیادہ حساس بچے باتوں کو جلدی دل پر لیتے ہیں، ان کے لیے چھوٹی باتیں بھی بڑی بن جاتی ہیں، آرگنائزیشن کی رپورٹ سے یہ بات بھی سامنے آئی تھی کہ دنیا بھر میں ہونے والی خودکشی کی مجموعی تعداد میں سے تین چوتھائی خودکشی کم یا متوسط آمدنی والے ملکوں کے لوگ کرتے ہیں، امیر ملکوں میں عورتوں کے مقابلے تین گنا زیادہ مرد خودکشی کرتے ہیں، اس کے باوجود ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن کی خودکشی کی روک تھام کے لئے صرف ۲۸ ملکوں میں ہی قومی سطح پر اسٹریٹیجی موجود ہے لیکن دنیا بھر کے ملکوں کی مجموعی تعداد کو دیکھتے ہوئے یہ تعداد برائے نام ہے، خودکشی کی روک تھام کے لیے محلے واری سطح پر سوشل ایکٹیوسٹ کو بھی اپنی ذمہ داریاں ادا کرنی چاہیے، سماجی تنظیموں کو بھی اپنے پلیٹ فارم سے لوگوں کی ذہن سازی اور شعور بیدار کرنے کی ضرورت ہے کہ یہ زندگی اللہ کی جانب سے عطا کی گئی بہت بڑی امانت ہے، اس لیے اس دنیا کی چھوٹی چھوٹی معمولی چیزوں سے متاثر ہو کر اپنی زندگی کو ختم کرنا اور جان سے ہاتھ دھوبیٹھنا کسی بھی طرح مناسب نہیں ہے، ہر حال میں جان کا تحفظ ہونا چاہیئے یہ ہر شخص کی بنیادی ذمہ داری اور اخلاقی فریضہ ہے، کسانوں سمیت اسٹوڈینس، مہنگائی اور بے روزگاری وغیرہ سے متاثر ہونے والے لوگوں کی بڑی تعداد خودکشی کررہی ہے اور ایسے لوگوں کی تعداد بڑھتی جارہی ہے جو یقینا افسوسناک ہے، سوال پھر یہی ہے کہ ان واقعات اور حوادث کا ذمہ دار کون ہے؟ کیا کوئی اسکی ذمہ داری قبول کرے گا؟

مضمون پڑوسی ملک کے کالم نگار کی ہے جنہوں نے اپنے ملک کے حالات کو بیان کیا ہے ادارہ اس مضمون سے بری ہے

پاکستانی عوام کی سیاسی بدنصیبی، جب ووٹ کارکردگی کے بجائے جذبات کا اسیر ہوجائے

اپنے حکمرانوں کا احتساب ان کی کارکردگی کی بنیاد پر کریں۔ جو حکومت بہتر تعلیم، صحت، انصاف، روزگار، معیشت اور امن فراہم کرے، وہ دوبارہ منتخب ہو؛ اور جو ان میدانوں میں ناکام رہے، اسے عوام اقتدار سے الگ کر دیں۔ یہی وہ اصول ہے جو ترقی یافتہ جمہوریتوں کو مسلسل بہتر بناتا ہے۔ لیکن پاکستان کی سیاسی تاریخ پر نظر ڈالیں تو ایک تلخ حقیقت سامنے آتی ہے: یہاں ووٹ اکثر کارکردگی کے بجائے جذبات، ہمدردی، سیاسی بحران یا ردِ عمل کے زیرِ اثر دیا گیا ہے۔

یہ صرف کسی ایک جماعت کی بات نہیں بلکہ ہماری مجموعی سیاسی ثقافت کا مسئلہ ہے۔ کئی مواقع پر قومی سانحات، سیاسی کشمکش، مقبول شخصیات کی مظلومیت، یا طاقتور اداروں سے ٹکراؤ نے عوامی رائے پر گہرا اثر ڈالا۔ ایسے عوامل جمہوریت میں غیر معمولی اہمیت اختیار کر سکتے ہیں، مگر اگر وہ کارکردگی کے سوال کو مکمل طور پر پسِ پشت ڈال دیں تو احتساب کا عمل کمزور پڑ جاتا ہے۔

سیاسی فلسفے میں کہا جاتا ہے کہ جمہوریت صرف ووٹ ڈالنے کا نام نہیں، بلکہ حکمرانوں کو نتائج کی بنیاد پر انعام یا سزا دینے کا نظام ہے۔ اگر سیاست دان جان لیں کہ کامیابی یا ناکامی کا فیصلہ ان کے کام سے نہیں بلکہ صرف جذباتی فضا سے ہو گا، تو ان کی ترجیحات بھی بدل جاتی ہیں۔ پھر توجہ اصلاحات، ادارہ سازی، معیشت اور عوامی خدمات کے بجائے سیاسی بیانیہ، مظلومیت یا مسلسل محاذ آرائی پر مرکوز ہو سکتی ہے۔

پاکستان میں مختلف ادوار میں ایسے مواقع آئے جب ہمدردی، احتجاجی کیفیت یا سیاسی دباؤ عوامی فیصلوں پر نمایاں اثر انداز ہوئے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ کارکردگی بالکل غیر اہم رہی، بلکہ یہ کہ کئی مرتبہ کارکردگی کا سوال پس منظر میں چلا گیا۔ جب ایسا ہوتا ہے تو سیاست دان بھی عوامی خدمت سے زیادہ سیاسی جذبات کو متحرک رکھنے میں دلچسپی لینے لگتے ہیں۔

فلسفیانہ اعتبار سے قومیں صرف اس وقت بالغ سیاسی شعور حاصل کرتی ہیں جب وہ شخصیات کے بجائے اصولوں کو، نعروں کے بجائے نتائج کو، اور جذبات کے بجائے دلیل کو اہمیت دیتی ہیں۔ جذبات لمحوں کو بدلتے ہیں، مگر کارکردگی نسلوں کی تقدیر بدلتی ہے۔ اگر عوام ہر انتخاب میں صرف ایک سوال پوچھیں کہ "پانچ سال میں ہماری زندگی کتنی بہتر ہوئی؟" تو سیاست دانوں کی پوری حکمتِ عملی بدل جائے گی۔ سقراط کا خیال تھا کہ غیر ذمہ دار شہری اپنے ہی مستقبل کے خلاف فیصلہ کرتے ہیں، جبکہ ارسطو کے نزدیک ریاست کی کامیابی اس وقت ممکن ہوتی ہے جب شہری اجتماعی بھلائی کو ذاتی یا وقتی جذبات پر ترجیح دیں۔ جدید جمہوری نظریات بھی اسی اصول کی تائید کرتے ہیں کہ انتخابات دراصل عوام کی طرف سے حکمرانوں کی سالانہ یا مدت پوری ہونے پر "کارکردگی کی رپورٹ" ہوتے ہیں۔

پاکستان کی سیاسی بدنصیبی شاید یہی نہیں کہ یہاں سیاسی بحران آتے رہے، بلکہ اصل بدنصیبی یہ ہے کہ ہر بحران نے کارکردگی کے سوال کو دھندلا دیا۔ جب عوام یہ طے کرنا چھوڑ دیں کہ کون بہتر حکمرانی کر رہا ہے، تو حکمران بھی یہ سوچنا چھوڑ دیتے ہیں کہ بہتر حکمرانی کیسے کی جائے۔

آج پاکستان کو جس سیاسی تبدیلی کی ضرورت ہے، وہ کسی نئی جماعت یا نئے نعرے سے زیادہ نئے ووٹر کی ہے؛ ایسا ووٹر جو نہ اندھی محبت میں ووٹ دے، نہ اندھی نفرت میں، نہ صرف ہمدردی میں، بلکہ صرف اس بنیاد پر فیصلہ کرے کہ کس نے ریاست، معیشت، تعلیم، صحت، انصاف اور عوامی زندگی میں حقیقی بہتری پیدا کی۔

جمہوریت اس دن بالغ ہوگی جب ہر سیاست دان کو یقین ہو گا کہ اگلا انتخاب اس کی تقریروں سے نہیں، بلکہ اس کے کام سے جیتا یا ہارا جائے گا۔ اسی دن پاکستان کی سیاست جذبات کی قید سے نکل کر کارکردگی کی راہ پر گامزن ہو گی، اور شاید یہی ہماری سیاسی تاریخ کا سب سے بڑا موڑ ثابت ہو۔

نیپال اردو ٹائمز کے سویں شمارے پر دلی مبارک باد

شہزادہ محسن ملت

حضرت مولانا رضوان دانش مصباحی صاحب

الحمدللہ! یہ خبر میرے لیے بے حد خوشی اور مسرت کا باعث ہے کہ "نیپال اردو ٹائمز" اپنے صحافتی سفر کے سویں شمارے تک پہنچ گیا ہے۔ کسی بھی اخبار کے لیے سو شمارے کی تکمیل ایک غیر معمولی کامیابی اور قابلِ فخر سنگِ میل ہے، جو ادارے کی مسلسل جدوجہد، اخلاص، محنت اور صحافتی عزم کا روشن ثبوت ہے۔

اس خوشی کے موقع پر میں نیپال اردو ٹائمز کے چیف ایڈیٹر محترم مولانا عبد الجبار علیمی صاحب اور پوری ادارتی ٹیم کو دل کی گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

نیپال جیسے ملک سے اردو زبان میں ایک باوقار اور بامقصد اخبار کا مسلسل اشاعت کے مراحل طے کرتے ہوئے سویں شمارے تک پہنچنا یقیناً اردو صحافت کے لیے بھی باعثِ مسرت ہے۔ "نیپال اردو ٹائمز" نے قومی و بین الاقوامی خبروں کے ساتھ ساتھ دینی، ملی، سماجی، ادبی اور فکری موضوعات کو جگہ دے کر قارئین تک مفید اور تعمیری مواد پہنچانے کی کوشش کی ہے۔

میری نظر میں "نیپال اردو ٹائمز" کی یہ کامیابی صرف ایک اخبار کی کامیابی نہیں، بلکہ اردو زبان وادب، صحافت اور دینی وملی شعور کی خدمت کا ایک روشن باب ہے۔ سویں شمارے کی تکمیل اس بات کی نوید ہے کہ اگر اخلاص، محنت اور عزم کے ساتھ سفر جاری رکھا جائے تو مشکلات کے باوجود کامیابی کی منزل حاصل کی جاسکتی ہے۔

میں ایک بار پھر محترم چیف ایڈیٹر مولانا عبد الجبار علیمی صاحب، سرپرستان، مدیران، معاونین، قلم کاروں اور پوری ادارتی ٹیم کو اس تاریخی موقع پر دلی مبارک باد پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ "نیپال اردو ٹائمز" کو دن دوگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے، اس کے دائرۂ اثر کو مزید وسیع فرمائے اور اسے اردو زبان، دین وملت اور معاشرے کی مثبت و تعمیری خدمت کا مؤثر ذریعہ بنائے۔

سویں شمارے کی یہ منزل مبارک ہو، اور دعا ہے کہ "نیپال اردو ٹائمز" کا یہ صحافتی سفر اسی شان و استقامت کے ساتھ سینکڑوں اور ہزاروں شمارے کی منزلیں طے کرتا رہے۔ آمین یارب العالمین۔

رضوان دانش مصباحی۔
نظامی منزل، قصبہ: منہد اول، سنت کبیر نگر، یو، پی۔

نیپال اردو ٹائمز "کا سوواں شمارہ عزم، استقامت اور اردو صحافت کی درخشاں دستاویز تاثرات *

* * عقیل خان بیاولی، جلگاؤں (مہاراشٹر) *

صحافت محض خبروں کی ترسیل کا نام نہیں بلکہ قوموں کی فکری رہنمائی، عقائد و افکار کی تبلیغ تہذیبی شناخت اور تاریخی شعور کی حفاظت کا ایک مؤثر وسیلہ ہے۔ جب کسی "غیر اردو داں ملک میں اردو کا ایک ہفت روزہ اپنی اشاعت کے سوویں سنگِ میل تک پہنچتا ہے تو یہ کامیابی صرف ایک ادارے کی نہیں بلکہ پوری اردو دنیا کے لیے باعثِ افتخار بن جاتی ہے۔ "

"نیپال اردو ٹائمز "کا سوواں شمارہ اسی احساسِ افتخار کا آئینہ دار ہے۔ یہ شمارہ دیکھتے ہی اپنے وقار، حسنِ ترتیب اور تحقیقی مواد کے باعث قاری کو اپنی جانب متوجہ کرتا ہے۔ اس کے صفحات محض مطبوعہ الفاظ نہیں بلکہ "نیپال میں اردو صحافت کی جدوجہد، قربانیوں، خوابوں اور مسلسل محنت کی روشن داستان ہیں۔ "

اس خصوصی اشاعت کا سب سے نمایاں پہلو اس کا اداریہ ہے، جس میں اخبار کے قیام کی داستان نہایت سادہ، مؤثر اور خلوص بھرے انداز میں بیان کی گئی ہے۔ اس تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ وسائل کی کمی کبھی بھی حوصلوں کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتی، اگر نیت خالص اور مقصد بلند ہو۔ سوویں شمارے کی ایک اور اہم خوبی یہ ہے کہ اس میں "نیپال میں اردو صحافت کی تاریخ کو تحقیقی انداز میں یکجا کیا گیا ہے۔ ماضی کے رسائل، اخبارات اور ادبی خدمات کا تسلسل کے ساتھ ذکر اس شمارے کو محض ایک یادگاری نمبر نہیں بلکہ ایک مستند حوالہ بنا دیتا ہے "۔ آنے والی نسلیں جب نیپال میں اردو صحافت کی تاریخ کا مطالعہ کریں گی تو یہ شمارہ یقیناً ایک بنیادی ماخذ کے طور پر اپنی شناخت برقرار رکھے گا۔ ادارتی ٹیم کا تعارف، نمائندگان کی تفصیلات اور وابستگان کی خدمات اس حقیقت کی غمازی کرتی ہیں کہ "نیپال اردو ٹائمز "ایک فرد کا خواب نہیں بلکہ اجتماعی شعور کی تعبیر ہے۔ یہی اجتماعی مزاج کسی بھی صحافتی ادارے کی اصل طاقت ہوتا ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ اگر آئندہ خصوصی شماروں میں معاصر سماجی، ادبی، تعلیمی اور تحقیقی موضوعات پر مزید خصوصی مضامین، نوجوان قلم کاروں کی نمائندگی، اور بصری حسن میں مزید تنوع شامل کیا جائے تو یہ ہفت روزہ نہ صرف نیپال بلکہ ل" برصغیر کی اردو صحافت میں مزید ممتاز مقام حاصل کر سکتا ہے۔" تاہم یہ ایک تعمیری تجویز ہے، کیونکہ موجودہ شمارہ اپنی مجموعی پیشکش، مواد اور وقار کے اعتبار سے نہایت کامیاب اور قابلِ تحسین ہے۔ بلاشبہ سوواں شمارہ کسی بھی اخبار کے لیے محض ایک عدد نہیں بلکہ اعتماد، تسلسل اور عوامی قبولیت کا استعارہ ہوتا ہے۔ "نیپال اردو ٹائمز "نے یہ منزل طے کرکے ثابت کر دیا ہے کہ اگر جذبۂ خدمت زندہ ہو تو محدود وسائل بھی بڑے خوابوں کی تعبیر بن سکتے ہیں۔

میں ادارۂ نیپال اردو ٹائمز، چیف ایڈیٹر، ادارتی ٹیم، تمام قلم کاروں، نامہ نگاروں اور معاونین کو اس تاریخی کامیابی پر دلی مبارک باد پیش کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ یہ ہفت روزہ آئندہ بھی اسی وقار، دیانت، اعتدال اور فکری بصیرت کے ساتھ اردو زبان وادب کی خدمت کرتا رہے، کیونکہ ایسے چراغ ہی اردو صحافت کے افق کو روشن رکھت

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

اردو مرکز کی رونقیں ایک عشرہ بعد بحال، سلور جوبلی کی تیاریاں شروع

جاوید جمال الدین

"اردو مرکز صرف ایک ادارہ نہیں بلکہ تعلیمی، ادبی اور ثقافتی تحریک ہے"

عدالتی جدوجہد رنگ لائی، بی ایم سی نے امام باڑا میونسپل اردو اسکول میں کمرہ فراہم کیا، جلد ہی اردو، مراٹھی اور انگریزی کی کلاسیں، لائبریری اور بھنڈی بازار میلہ دوبارہ شروع ہوں گے ممبئی: جنوبی ممبئی کے تاریخی اور تہذیبی علاقے بھنڈی بازار میں قائم تعلیمی و ثقافتی ادارہ اردو مرکز تقریباً دس برس کی بندش کے بعد ایک بار پھر سرگرم ہونے جارہاہے۔ طویل قانونی جدوجہد اور مسلسل عوامی نمائندگی کے بعد برہن ممبئی میونسپل کارپوریشن (بی ایم سی) نے امام باڑا میونسپل اردو اسکول میں اردو مرکز کو اپنی تعلیمی اور ادبی سرگرمیوں کے لیے ایک کمرہ فراہم کرنے کا فیصلہ کیاہے۔ اس پیش رفت کو ممبئی کے ادبی، تعلیمی اور سماجی حلقوں میں خوش آئند قرار دیا جارہا ہے۔

اردو مرکز کے ڈائریکٹر اور صدر ایڈوکیٹ زبیر اعظمی نے نمائندے سے خصوصی گفتگو میں بتایا کہ 1999 میں قائم ہونے والا یہ ادارہ اب اپنے قیام کے ۲۶ برس مکمل کر رہاہے، اسی مناسبت سے اس کی سلور جوبلی تقریبات کی بھی منصوبہ بندی کی جارہی ہے۔ ان کے مطابق اردو مرکز صرف ایک لائبریری نہیں بلکہ ایک ایسی تحریک ہے جس کا مقصد نئی نسل میں مطالعے کا ذوق پیدا کرنا، زبان و ادب سے رشتہ مضبوط کرنا اور مختلف تہذیبوں اور زبانوں کے درمیان ہم آہنگی کو فروغ دیناہے۔

انہوں نے کہا کہ بھنڈی بازار، ناگپاڑہ اور مدن پورہ کا علاقہ گزشتہ ایک صدی سے ممبئی کی ادبی، ثقافتی اور فکری سرگرمیوں کا مرکز رہاہے۔ ترقی پسند تحریک کے متعدد ممتاز ادیبوں، شاعروں اور دانشوروں نے اسی علاقے سے اپنی ادبی سرگرمیوں کو فروغ دیا۔ اردو مرکز کا قیام بھی اسی تاریخی روایت کو آگے بڑھانے کی ایک کوشش تھا تاکہ اردو اور مراٹھی زبانوں کے ادیبوں، شاعروں اور دانشوروں کے درمیان مکالمہ، تبادلۂ خیال اور ثقافتی روابط کو مستحکم کیا جا سکے۔

ایڈوکیٹ زبیر اعظمی نے بتایا کہ جولائی ۲۰۱۶ میں اردو مرکز کی سرگرمیاں اچانک معطل ہوگئی تھیں، جس کے بعد ادارے کو بندش کا سامنا کرنا پڑا۔ بی ایم سی کا مؤقف تھا کہ مرکز میں ہونے والی سرگرمیاں تعلیمی دائرے میں نہیں آتیں، تاہم اردو مرکز نے اس فیصلے کو عدالت میں چیلنج کیا۔ عدالت کے روبرو یہ مؤقف اختیار کیا گیا کہ تعلیم صرف نصابی اسباق یا الف، بے، پے سکھانے تک محدود نہیں بلکہ ادب، کتاب بینی، تخلیقی سرگرمیوں، ثقافتی تربیت اور شخصیت سازی بھی تعلیمی عمل کا لازمی حصہ ہیں۔

انہوں نے بتایا کہ دورانِ سماعت عدالت نے بھی بی ایم سی سے تعلیم کی تعریف اور اس کے معیارات کے بارے میں سوالات کیے۔ اردو مرکز کی جانب سے یہ واضح کیا گیا کہ لائبریری، ادبی نشستیں، مطالعہ اور تخلیقی سرگرمیاں بچوں کی ذہنی اور فکری نشوونما میں بنیادی کردار ادا کرتی ہیں۔ انہی دلائل کی بنیاد پر عدالت نے اردو مرکز کے موقف کو اہمیت دی، جس کے بعد بی ایم سی نے مرکز کی سرگرمیوں کی بحالی پر آمادگی ظاہر کی۔ اگرچہ مقدمہ ابھی زیرِ سماعت ہے، تاہم عدالت سے عبوری راحت ملنے کے بعد مرکز کی بحالی کی راہ ہموار ہوگئی ہے۔

ایڈوکیٹ زبیر اعظمی نے بتایا کہ اردو مرکز کے آغاز ہی سے بی ایم سی کے پرائمری، سیکنڈری اور ڈی ایڈ کالج کے طلبہ اس کی سرگرمیوں کا محور رہے ہیں۔ یہاں اردو کے ساتھ ساتھ انگریزی اور مراٹھی زبان کی خصوصی کلاسیں بھی چلائی جاتی تھیں تاکہ سرکاری اسکولوں کے طلبہ اپنی تعلیمی کمزوریوں پر قابو پا سکیں۔ انہوں نے کہا کہ مرکز سے وابستہ رضاکار اساتذہ برسوں تک بچوں کو بلا معاوضہ انگریزی اور مراٹھی کی تعلیم دیتے رہے کیونکہ آج کے دور میں ان زبانوں سے واقفیت بھی ناگزیر ہے۔

ان کا کہنا تھا کہ اردو مرکز کا بنیادی فلسفہ یہی ہے کہ کوئی زبان غیر نہیں ہوتی۔ ہر زبان علم، تہذیب اور ترقی کا وسیلہ ہے، اس لیے اردو کے ساتھ مراٹھی زبان کے فروغ کو بھی ہمیشہ یکساں اہمیت دی گئی۔ اسی مقصد کے تحت مستقبل میں بھی دونوں زبانوں کی تدریس، ادبی نشستیں، مذاکرے اور مشترکہ ثقافتی پروگرام منعقد کیے جائیں گے۔

اردو مرکز کی سرگرمیاں صرف زبانوں کی تعلیم تک محدود نہیں رہیں بلکہ یہاں بچوں کے لیے مصوری، کہانی گوئی، کتاب بینی، تخلیقی ورکشاپس اور مختلف ادبی مقابلوں کا بھی باقاعدگی سے انعقاد کیا جاتا تھا۔ ادارے کے پاس ہزاروں معیاری اور نایاب کتابوں پر مشتمل ایک قیمتی ذخیرہ موجود ہے، جسے جدید لائبریری نظام کے مطابق ایک تربیت یافتہ لائبریرین کے ذریعے کیٹلاگ کیا جائے گا تاکہ طلبہ، محققین، اساتذہ اور عام قارئین زیادہ بہتر انداز میں استفادہ کر سکیں۔

اردو مرکز کی بحالی کا خیر مقدم کرتے ہوئے اردو کے شیدائی ناصر جمال نے کہا کہ یہ صرف اردو والوں کے لیے نہیں بلکہ پورے شہر کے لیے خوش آئند خبر ہے۔ ان کے مطابق مرکز کے دوبارہ فعال ہونے سے اردو اور مراٹھی دونوں زبانوں کے فروغ میں مدد ملے گی۔ انہوں نے تجویز پیش کی کہ گھریلو خواتین، ڈرائیوروں، ملازمت پیشہ افراد اور دیگر ایسے لوگوں کے لیے بھی علیحدہ اوقات مقرر کیے جائیں جو روزمرہ مصروفیات کے باوجود اردو یا مراٹھی سیکھنے کے خواہش مند ہیں۔

اردو مرکز کی بحالی کے لیے مختلف سماجی اور عوامی شخصیات نے بھی مسلسل کوششیں کیں۔ ان میں رکن اسمبلی امین پٹیل، سماجی کارکن رئیس شاہ اور سابق کارپوریٹر جاوید جونیجا نمایاں ہیں، جنہوں نے بی ایم سی کے اعلیٰ حکام سے متعدد ملاقاتیں کرکے اردو مرکز کو دوبارہ فعال کرنے کا مطالبہ کیا۔

ایڈوکیٹ زبیر اعظمی نے بتایا کہ مرکز میں اس وقت صفائی، رنگ وروغن اور بنیادی سہولتوں کی فراہمی کا کام جاری ہے۔ اس کے مکمل ہوتے ہی اردو، مراٹھی اور انگریزی زبان کی کلاسیں، لائبریری کی خدمات، بچوں کی تخلیقی سرگرمیاں اور ادبی پروگرام دوبارہ شروع کردیے جائیں گے۔

انہوں نے مزید اعلان کیا کہ اردو مرکز کی شناخت بن جانے والا سالانہ بھنڈی بازار میلہ بھی دوبارہ منعقد کیا جائے گا۔ ان کے مطابق یہ میلہ صرف ایک ثقافتی تقریب نہیں بلکہ بھنڈی بازار کی ادبی، تہذیبی، تاریخی اور روایتی پکوانوں کی رنگارنگ روایت کا آئینہ دار ہے، جس کے ذریعے ممبئی کی مشترکہ تہذیب اور گنگا جمنی ثقافت کو فروغ ملتا ہے۔

اردو مرکز کی بحالی کو شہر کے علمی و ادبی حلقے ایک اہم پیش رفت قرار دے رہے ہیں۔ ان کا ماننا ہے کہ یہ ادارہ نہ صرف اردو زبان و ادب کے فروغ میں مؤثر کردار ادا کرے گا بلکہ مختلف زبانوں، ثقافتوں اور طبقات کے درمیان ہم آہنگی، مکالمے اور باہمی احترام کی نئی فضا بھی قائم کرے گا۔

@جاوید جمال الدین

*عرسِ رضوی منانے کا حقیقی مقصد

کمال احمد صاحب امجدی خادم التدریس دارالعلوم عزیزیہ اشاعت العلوم نگرپالیکا پریشد سسوابازار*

عرسِ رضوی صرف ایک سالانہ اجتماع یارسمی تقریب کا نام نہیں، بلکہ یہ امامِ اہلِ سنت، مجددِ دین و ملت، عاشقِ رسول ﷺ سرکار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری قدس سرہ العزیز کی دینی، علمی، فکری اور اصلاحی خدمات کو یاد کرنے، ان سے سبق حاصل کرنے اور ان کی تعلیمات پر عمل کرنے کے عزم کی تجدید کا مبارک موقع ہے،

اس دن اہلِ سنت دنیا بھر میں مختلف اجتماعات، کانفرنسوں، محافلِ نعت، علمی نشستوں اور دعائیہ تقریبات کا انعقاد کرتے ہیں تاکہ نئی نسل کو سرکا اعلیٰ حضرت کی عظیم شخصیت اور ان کے علمی ورثے سے روشناس کرایاجاسکے،

عرسِ رضوی کا سب سے اہم مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کے دلوں میں عشقِ رسولِ اکرم ﷺ کو مزید مضبوط کیا جائے،

سیدی سرکار اعلیٰ حضرت کی پوری زندگی محبتِ رسول ﷺ، تعظیمِ شعائرِ اسلام اور اتباعِ سنت کا روشن نمونہ تھی،

آپ نے اپنے قلم، زبان اور کردار سے امت کو یہی سبق دیا کہ دنیاو آخرت کی کامیابی اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب ﷺ کی کامل اطاعت میں مضمر ہے،

عرس رضوی کے موقع پر جب آپ کی سیرت اور تعلیمات بیان کی جاتی ہیں تو حاضرین کے دلوں میں عشقِ مصطفیٰ ﷺ کی شمع مزید فروزاں ہوتی ہے،

عرسِ رضوی منانے کا ایک اہم مقصد عقائدِ اہلِ سنت کی حفاظت اور ان کی صحیح تعلیمات کو عام کرنا بھی ہے،

تدریس، ادبی نشستیں، مذاکرے اور مشترکہ ثقافتی پروگرام منعقد کیے جائیں گے۔

اردو مرکز کی سرگرمیاں صرف زبانوں کی تعلیم تک محدود نہیں رہیں بلکہ یہاں بچوں کے لیے مصوری، کہانی گوئی، کتاب بینی، تخلیقی ورکشاپس اور مختلف ادبی مقابلوں کا بھی باقاعدگی سے انعقاد کیا جاتا تھا۔ ادارے کے پاس ہزاروں معیاری اور نایاب کتابوں پر مشتمل ایک قیمتی ذخیرہ موجود ہے، جسے جدید لائبریری نظام کے مطابق ایک تربیت یافتہ لائبریرین کے ذریعے کیٹلاگ کیا جائے گا تاکہ طلبہ، محققین، اساتذہ اور عام قارئین زیادہ بہتر انداز میں استفادہ کر سکیں۔

اردو مرکز کی بحالی کا خیر مقدم کرتے ہوئے اردو کے شیدائی ناصر جمال نے کہا کہ یہ صرف اردو والوں کے لیے نہیں بلکہ پورے شہر کے لیے خوش آئند خبر ہے۔ ان کے مطابق مرکز کے دوبارہ فعال ہونے سے اردو اور مراٹھی دونوں زبانوں کے فروغ میں مدد ملے گی۔ انہوں نے تجویز پیش کی کہ گھریلو خواتین، ڈرائیوروں، ملازمت پیشہ افراد اور دیگر ایسے لوگوں کے لیے بھی علیحدہ اوقات مقرر کیے جائیں جو آپ کی علمی بصیرت، تحقیقی انداز اور عشقِ رسول ﷺ نوجوانوں کے لئے بہترین نمونۂ عمل ہیں،

الغرض، عرسِ رضوی کا حقیقی مقصد محض اجتماع، چراغاں یا رسم و رواج نہیں، بلکہ امامِ اہلِ سنت رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کو سمجھنا، ان پر عمل کرنا، عشقِ رسول ﷺ کو عام کرنا، عقائدِ اہلِ سنت کی حفاظت کرنا، دین کی خدمت کرنا اور اپنی عملی زندگی کو قرآن وسنت کے مطابق ڈھالناہے،

رب قدیر ہمیں سرکار اعلیٰ حضرت کی تعلیمات پر اخلاص کے ساتھ عمل کرنے اور ان کے فیوض وبرکات سے مستفیض ہونے کی توفیق عطا فرمائے،

آمین یارب العالمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

*جمعیۃ علماء شہر میرٹھ کی چوتھی مجلس عاملہ وتحفظِ مدارس اجلاس منعقد، متعدد تنظیمی، تعلیمی، رفاہی اور اصلاحی فیصلے

میرٹھ ۴/اگست

نیپال اردو ٹائمز (پریس ریلیز)

جمعیۃ علماء شہر میرٹھ کی چوتھی مجلس عاملہ اور تحفظِ مدارس کے عنوان سے ایک اہم اجلاس بتاریخ ۲۰/صفر المظفر ۱۴۴۸ھ مطابق: ۴/اگست ۲۰۲۶ء بروز: منگل، صبح: ۱۰ بجے، مدرسہ حسینیہ ولایت الاسلام، لہساڑی روڈ، میرٹھ شہر میں منعقد ہوا۔ اجلاس کی صدارت صدرِ جمعیۃ علماء شہر میرٹھ حضرت مفتی محمد جنید صاحب حقی نے فرمائی، جبکہ نظامت کے فرائض جنرل سکریٹری مفتی محمد ارشد صاحب قاسمی نے انجام دیے۔ اس موقع پر حضرت مفتی محمد قاسم رضی صاحب (کنوینر اصلاح معاشرہ جمعیت علماء اترپردیش وکنوینر شعبہ تحفظ مدارس صوبہ اتر پردیش و اتراکھنڈ) بطور مہمانِ خصوصی شریک ہوئے،

اجلاس کا آغاز مدرسہ ہٰذا کے ایک طالب علم مولوی مطیع اللہ کی پرسوز تلاوتِ کلامِ پاک سے ہوا، اس کے بعد ایک دوسرے طالب علم محمد شہادت نے نعتِ رسولِ مقبول ﷺ پیش کی، جبکہ جمعیۃ علماء کا ترانہ قاری محمد ہاشم صغیر صاحب نے پیش کیا۔

اس کے بعد تمہیدی گفتگو میں اجلاس کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی گئی اور گزشتہ (تیسری) مجلس عاملہ سے اب تک کی تنظیمی کارکردگی پیش کی گئی۔ بتایا گیا کہ اس عرصے میں چار تربیت المعلمین ورکشاپ، دو بڑے عوامی پروگرام (۱) دینی تعلیمی بیداری (۲) ماہِ محرم الحرام کی بدعات و رسومات کے موضوع پر منعقد کیے گئے۔

اس موقع پر کھرکھودہ کی اس مسجد کے دورے کا بھی تذکرہ کیا گیا، جسے زمین کے تنازع کے سلسلے میں نوٹس موصول ہوا تھا۔ بتایا گیا کہ حضرت مولانا حکیم الدین صاحب ناظمِ عمومی جمعیۃ علماء ہند کی ہدایت پر وفد نے مسجد کا دورہ کیا، کمیٹی سے ملاقات کی اور انہیں یقین دلایا کہ جمعیۃ علماء ہر مرحلے پر ان کے ساتھ شانہ بشانہ کھڑی رہے گی اور قانونی و تنظیمی سطح پر ہر ممکن تعاون فراہم کرے گی۔

اجلاس میں جمعیۃ علماء کی رفاہی سرگرمیوں کا بھی جائزہ لیا گیا۔ بتایا گیا کہ حال ہی میں آنکھوں کا طبی کیمپ منعقد کیا گیا، جس میں متعدد مریضوں کا معائنہ ہوا، اور جن افراد کو آپریشن کی ضرورت ہے، ان کے کم سے کم یا بلا معاوضہ علاج کی کوشش کی جائے گی (ان شاءاللہ)

اسی طرح مختلف دینی و سماجی تنظیموں کے اشتراک سے "دینی تعلیمی بیداری کارواں" کے عنوان سے ایک بیداری ریلی نکالی گئی، جس کے ذریعے عوام بالخصوص نئی نسل کو دینی تعلیم کی اہمیت کی طرف متوجہ کیا گیا۔

* دینی تعلیمی بورڈ کی رپورٹ *

بعد ازاں کنوینر دینی تعلیمی بورڈ مولانا عبدالملک صاحب قاسمی نے دینی تعلیمی بورڈ کی رپورٹ پیش کرتے ہوئے بتایا کہ دینی تعلیمی بورڈ کا نصاب نہایت منظم اور مفید ہے، اسے وسیع پیمانے پر اپنانے کی ضرورت ہے۔ انہوں نے کہا کہ مکاتب ملت کی دینی بنیاد اور ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اب تک ۱۹ نئے مکاتب قائم کیے جا چکے ہیں، جبکہ مستقبل قریب میں ۶۰ مکاتب کے قیام کا ہدف مقرر ہے۔

* اصلاحِ معاشرہ کی رپورٹ *

اس کے بعد ناظم اصلاحِ معاشرہ مفتی محمد بلال صاحب قاسمی نے شعبہ اصلاحِ معاشرہ کی تفصیلی رپورٹ پیش کرتے ہوئے بتایا کہ یہ شعبہ 1991 میں باقاعدہ قائم کیا گیا تھا، جس کا بنیادی مقصد معاشرے میں دینی اقدار کا تحفظ اور فروغ ہے۔ انہوں نے بتایا کہ شعبہ اصلاحِ معاشرہ کے چار بنیادی مقاصد ہیں:

- برائیوں کا خاتمہ
- خواتین کے حقوق کا تحفظ
- دینی تعلیم وتربیت کا فروغ
- نکاح میں سادگی

انہوں نے اعداد و شمار پیش کرتے ہوئے بتایا کہ اب تک شعبہ اصلاحِ معاشرہ کے تحت:

- کل پروگرام: ۳۸۵
- مردوں کے پروگرام: ۳۰۹
- مستورات کے پروگرام: ۷۶

منعقد کیے جاچکے ہیں۔ مزید بتایا گیا کہ آئندہ ربیع الاول میں تقریباً ۱۰۰ پروگرام منعقد کرنے کا منصوبہ ہے اور ہر یونٹ کو کم از کم دو چھوٹے اور ایک بڑا پروگرام منعقد کرنے کی ذمہ داری دی گئی ہے۔

* درسِ قرآن کی رپورٹ *

اس کے بعد مفتی محمد عمیر صاحب نے درسِ قرآن کی رپورٹ پیش کرتے ہوئے بتایا کہ میرٹھ شہر میں اس وقت ۵۷ مقامات پر باقاعدہ درسِ قرآن جاری ہے۔

انہوں نے کہا کہ ہر مسجد میں روزانہ، ہفتہ واری یا ماہانہ ترجمۂ قرآن و تفسیر کا مستقل سلسلہ شروع کیا جائے۔ اس سلسلے میں واضح ہدایات بھی جاری کی گئیں کہ:

- درسِ قرآن ایسے علماء کرام دیں جو معتبر دینی اداروں کے فارغ التحصیل، صاحبِ استعداد اور اکابر کی فکر کے پابند ہوں۔
- ترجمۂ شیخ الہند، تفسیر عثمانی اور معارف القرآن کو بنیادی مراجع بنایا جائے۔
- اگر پڑھ کر سنایا جائے تو تفسیر عثمانی سے استفادہ کیا جائے۔
- درس مختصر، عام فہم اور باقاعدگی کے ساتھ جاری رکھا جائے۔

* درسِ حدیث کی رپورٹ *

مفتی محمد قربان صاحب نے درسِ حدیث کی رپورٹ پیش کرتے ہوئے اعتراف کیا کہ اس شعبے میں ابھی کچھ کمزوری موجود ہے، تاہم ان شاء اللہ جلد ہی اس کو منظم اور فعال بنادیا جائے گا۔

* تربیتی ورکشاپ کا اہم فیصلہ *

اجلاس میں تفصیلی غور وخوض کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ جمعیۃ علماء شہر میرٹھ کے زیر اہتمام ایک تربیتی ورکشاپ (ان شاء اللہ) ۶/ربیع الاول ۱۴۴۸ھ مطابق: ۲۰/اگست ۲۰۲۶ء بروز جمعرات، شہر میرٹھ میں منعقد ہوگا بتایا گیا کہ جمعیۃ علماء ہند اس وقت ملک بھر میں ۳۴ متحرک شعبوں پر کام کر رہی ہے، جن میں سے اہم شعبوں کا تعارف، ان کی پریزنٹیشن اور عملی طریقۂ کار اس ورکشاپ میں پیش کیا جائے گا تاکہ ذمہ داران ہر شعبے میں مؤثر انداز سے خدمات انجام دے سکیں۔

* اجلاس میں تحفظِ مدارس پر تفصیلی غور وخوض *

چونکہ حالیہ دنوں میں بعض مدارس کو نامعلوم فون کالز کے ذریعے ہراساں کیا جارہاہے اور اکاؤنٹس وغیرہ دستاویزات طلب کی جا رہی ہیں، اس لیے مجلس عاملہ کے ساتھ تحفظِ مدارس کا خصوصی اجلاس بمشورہ ناظم عمومی حضرت مولانا حکیم الدین صاحب رکھاگیا، جس میں حضرت مولانا مفتی قاسم رضی صاحب قاسمی فیروز آبادی نے بحیثیت کنوینر تحفظ مدارس شرکت فرمائی اس موقع پر وکیل ریاست علی صاحب صدر وکلاء پینل جمعیۃ علماء شہر میرٹھ نے قانونی رہنمائی کرتے ہوئے کہا کہ اگر کسی مدرسے کو اس نوعیت کی کال موصول ہو تو پہلے متعلقہ افسر سے تحریری نوٹس طلب کیا جائے، اس کا نام اور نمبر محفوظ کیا جائے اور پھر فوری طور پر جمعیۃ علماء سے رابطہ کیا جائے تاکہ قانونی رہنمائی اور تعاون فراہم کیا جاسکے۔

بعد ازاں مہمان خصوصی حضرت مولانا مفتی محمد قاسم رضی صاحب نے تفصیلی خطاب کرتے ہوئے اصلاحِ معاشرہ اور تحفظِ مدارس کے موضوع پر قیمتی رہنمائی فرمائی۔

نیز درس قرآن اور درس حدیث شروع کرنے کا آسان اور سہل طریقہ بھی بتایا، جسے بہت پسند کیا گیا تحفظِ مدارس کے حوالے سے انہوں نے تاکید کی کہ مدارس کی اراضی ذمہ داران کے ذاتی ناموں کے بجائے سوسائٹی یا ادارے کے نام پر رجسٹرڈ ہو، یا۳۱/سالہ کرایہ نامہ کی نوٹری کرالیں، مدارس کے مالی معاملات مکمل شفاف ہوں، ذاتی اور ادارہ جاتی اخراجات کو ہرگز باہم نہ ملایا جائے، اور تمام حسابات باقاعدگی کے ساتھ محفوظ رکھے جائیں تاکہ کسی بھی قانونی یا انتظامی مرحلے پر دشواری پیش نہ آئے۔ نیز اپنے ذاتی اکاؤنٹ میں اپنی انکم سے زائد لین دین ہرگز نہ کریں اور آخر میں صدرِ اجلاس حضرت مفتی محمد جنید صاحب حقی نے تمام مہمانان، علماء کرام اور ذمہ داران کا شکریہ ادا کیا، غیر فعال یونٹوں کو متوجہ کرتے ہوئے تنظیمی سرگرمیوں میں تیزی لانے کی تاکید فرمائی، اور ان کی دعا پر اجلاس کا اختتام ہوا۔

اجلاس میں صدر جمعیۃ علماء شہر میرٹھ حضرت مفتی محمد جنید صاحب حقی، جنرل سکریٹری مفتی محمد ارشد صاحب قاسمی، مہمانِ خصوصی حضرت مفتی محمد قاسم رضی صاحب، وکیل ریاست علی صاحب، سرپرست جمعیۃ علماء شہر میرٹھ حاجی محمد حنیف صاحب (میٹرو)، مولانا عبدالملک صاحب قاسمی، مفتی محمد بلال صاحب قاسمی، مفتی محمد فہیم صاحب، مفتی محمد قربان صاحب، مفتی محمد عمیر صاحب، مفتی مرسلین صاحب، مولانا سلیم نعمانی، مفتی محمد شعیب صاحب، مولانا محمد خبیب صاحب، مولانا محمد جمیل صاحب، قاری محمد ہاشم صغیر صاحب، مفتی محمد ذکاءالرحمن صاحب، مولاناثوبان صاحب، مفتی محمد جنید قاسمی، مولانا سراج صاحب، مولانا راشد صاحب، مولانا عبد الرزاق صاحب، قاری انتظار صاحب، مولاناناصر صاحب، مفتی وزارت صاحب، محمد ثمیر، گلبہار یامین، مفتی شاہجہاں صاحب، مولانا عبید اللہ صاحب، مولانا انیس صاحب، مولانا ارشاد صاحب، مولانا سہیل صاحب، قاری شعبان صاحب، قاری اسعد صاحب، مولانارحمت الٰہی صاحب، مولانا شاداب صاحب، مولانا اسامہ صاحب، مولانا مبین صاحب، مفتی جنید ذاکر کالونی، مفتی سرتاج صاحب، مولانا ریحان صاحب، مفتی طالب صاحب، قاری شہزاد صاحب، مفتی مرسلین صاحب، سمیت جمعیۃ علماء شہر میرٹھ کے اراکینِ مجلس عاملہ، مختلف شعبہ جات کے ذمہ داران، علماء کرام، ائمہ مساجد، اہل مدارس، مدرسین اور دیگر معزز حضرات نے شرکت کی۔

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

ہم زندگی نہیں جی رہے، صرف قسطیں ادا کر رہے ہیں!

شرف الدین سید
9342522346

مقابلہ ہو، مگر زندگی خود ایک مقابلہ نہ بن جائے۔۔۔ جہاں زندگی گزرے، وہی میرا وطن ہے، اور جو محبت سے ملے، وہی میرے اپنے ہیں۔۔۔

ایک لوک گیت کی یہ سادہ سی سطریں شاید آج کے انسان کی پوری زندگی پر ایک بڑا سوالیہ نشان لگا دیتی ہیں۔ ایک زمانہ تھا جب انسان کسی ایک جگہ آباد ہوتا تھا۔ وہیں پیدا ہوتا، وہیں روزگار کرتا، وہیں گھر بناتا، رشتے بناتا اور بالآخر وہیں دنیا سے رخصت ہو جاتا۔ اس کے لیے وطن صرف نقشے پر کھینچی ہوئی ایک لکیر نہیں تھا۔ اس کی گلیاں، اس کے کھیت، اس کے درخت، اس کے ہمسائے، اس کے رشتے —سب اس کی شناخت کا حصہ تھے۔

پھر دنیا نے ترقی کی۔

آبادی بڑھی۔ صنعتیں آئیں۔ شہر پھیلے۔

روزگار کے مواقع بڑھے۔ اور انسان چل پڑا۔ ایک شہر سے دوسرے شہر، ایک ریاست سے دوسری ریاست، ایک ملک سے دوسرے ملک۔ دادا کا شہر کچھ اور تھا، باپ کا کچھ اور، بیٹے کا کچھ اور اور پوتے کا شاید کوئی اور۔

آج کئی لوگوں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ ان کے پردادا کس مٹی میں پیدا ہوئے تھے۔ ہم نے اپنی جڑیں بدل لیں۔ پھر گھر بدل لیے۔ پھر شہر بدل لیے۔

اور اب شاید ہم اپنی زندگی بھی بدلنے کی کوشش میں ہیں۔

مگر سوال یہ ہے کہ ہمیں آخر مل کیا رہا ہے؟ کبھی مشترکہ خاندان ہوا کرتے تھے۔ ایک ہی گھر میں کئی نسلیں رہتی تھیں۔ گھر چھوٹے ہو سکتے تھے، مگر دل بڑے تھے۔ پھر خاندان چھوٹے ہوگئے۔

گھر چھوٹے ہوگئے۔

کمرے چھوٹے ہوگئے۔

اور آخر کار انسان ایک کمرے تک سمٹ گیا۔ اب ہاسٹل ہیں، پی جی ہیں، ایک کمرے کے فلیٹ ہیں، بلند و بالا اپارٹمنٹ ہیں۔ ہزاروں لوگ ایک ہی عمارت میں رہتے ہیں، مگر ایک دوسرے سے ناواقف ہیں۔

ہم نے عمارتیں بلند کرلیں، مگر رشتے پست ہوتے گئے۔ ہم ایک دوسرے کے قریب رہنے لگے، مگر ایک دوسرے سے دور ہوگئے۔ یہ کیسی ترقی ہے؟ گھر بڑے ہوگئے، خاندان چھوٹے ہوگئے۔ رابطے بڑھ گئے، تعلقات کم ہوگئے۔ سہولتیں بڑھ گئیں، سکون کم ہوگیا۔ آمدنی بڑھ گئی، مگر فرصت ختم ہوگئی۔ اور پھر ہماری زندگی میں ایک نیا لفظ داخل ہوا۔

گھر کی ای ایم آئی۔

گاڑی کی ای ایم آئی۔

بچوں کی تعلیم کا قرض۔ علاج کا قرض۔ ذاتی قرض۔ کریڈٹ کارڈ۔ اور پھر پوری زندگی قسطیں ادا کرتے کرتے گزر جاتی ہے۔ ہم صبح کام پر جاتے ہیں تاکہ شام کو گھر کی قسط ادا کر سکیں۔ ہم زیادہ کام کرتے ہیں تاکہ زیادہ کما سکیں۔ زیادہ کماتے ہیں تاکہ زیادہ خرچ کر سکیں۔ زیادہ خرچ کرتے ہیں تو مزید قرض لینا پڑتا ہے۔ اور پھر مزید قرض چکانے کے لیے مزید کام کرنا پڑتا ہے۔

یہ ایک ایسا چکر ہے جس میں انسان گھومتا رہتا ہے، مگر کہیں پہنچتا نہیں۔

ہمیں لگتا ہے کہ ہم زندگی کو بہتر بنا رہے ہیں، مگر حقیقت میں کہیں نہ کہیں زندگی ہمیں چلا رہی ہوتی ہے۔ ہم گھر کے مالک بننے کے لیے اپنی زندگی کا مالک ہونا چھوڑ دیتے ہیں۔

ہم گاڑی خرید لیتے ہیں، مگر اسے چلانے کے لیے وقت نہیں ہوتا۔ ہم بچوں کے لیے بڑا گھر بناتے ہیں، مگر بچوں کے ساتھ بیٹھنے کی فرصت نہیں ہوتی۔ ہم مستقبل محفوظ کرنے کے لیے حال قربان کر دیتے ہیں۔ اور جب مستقبل آتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ حال تو کب کا گزر چکا ہے۔

یہی وہ مقام ہے جہاں ہمیں رک کر سوچنا چاہیے۔ آخر زندگی ہے کیا؟ کیا زندگی صرف کھانے، پینے اور رہنے کا نام ہے؟ کیا زندگی صرف گھر، گاڑی، بینک بیلنس اور جائیداد ہے؟ کیا زندگی صرف بچوں کے مستقبل کی فکر میں اپنی پوری جوانی کھپا دینا ہے؟ کیا کامیابی کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے پاس وہ سب کچھ ہو جس کی دوسروں کو خواہش ہے؟ اور اگر ایسا ہے تو پھر ہماری اپنی خواہش کہاں ہے؟ ہم نے دوسروں سے مقابلہ کرتے کرتے یہ بھی بھلا دیا کہ ہمیں اصل میں جانا کہاں تھا۔ ہم دوسروں کی دوڑ میں شامل ہوگئے، مگر اپنا راستہ بھول گئے۔ یہ مقابلہ اب صرف میدانِ عمل تک محدود نہیں رہا۔ اب پوری زندگی ایک مقابلہ بن چکی ہے۔

کون بڑا گھر بنائے گا؟

کون مہنگی گاڑی خریدے گا؟ کس کے بچے بہتر اسکول میں پڑھیں گے؟ کس کی نوکری زیادہ اچھی ہے؟ کس کی تنخواہ زیادہ ہے؟ کس کے پاس زیادہ جائیداد ہے؟ کس کی زندگی سوشل میڈیا پر زیادہ خوبصورت نظر آتی ہے؟ ہم مسلسل دوڑ رہے ہیں۔ مگر کسی کو معلوم نہیں کہ منزل کہاں ہے۔ مقابلہ ہونا چاہیے، مگر زندگی خود مقابلہ نہیں بنی چاہیے۔ کیونکہ جب زندگی مقابلہ بن جاتی ہے تو پھر وہ مقابلہ نہیں رہتا، جوا بن جاتا ہے۔ اور ہر جوئے کی طرح اس میں بھی چند لوگ جیتتے ہیں اور بہت سے لوگ اپنی زندگی ہار جاتے ہیں۔

چند لوگ دولت جمع کرتے جاتے ہیں، اور کروڑوں لوگ اپنی جوانی، اپنی صحت، اپنا سکون اور اپنے رشتے گروی رکھ دیتے ہیں۔ آخر کار سوال یہ نہیں رہتا کہ انسان نے زندگی میں کتنا کمایا۔ اصل سوال یہ ہوتا ہے کہ کمانے کی اس دوڑ میں اس نے کیا کھویا؟ کتنے رشتے کھوئے؟ کتنی خوشیاں کھوئیں؟ کتنی شامیں ضائع کیں؟ کتنی بار اپنے بچوں کی آواز کو نظر انداز کیا؟ کتنی بار والدین کے پاس بیٹھنے کے بجائے کسی ضروری کام کو ترجیح دی؟ اور کتنی بار خود سے یہ پوچھنے کا وقت نہیں نکالا کہ— میں آخر جی کس لیے رہا ہوں؟ شاید اسی لیے آج انسان کے پاس پہلے سے کہیں زیادہ سہولتیں ہیں، مگر سکون کم ہے۔ اس کے پاس بات کرنے کے لیے سیکڑوں رابطے ہیں، مگر دل کی بات سننے والا کوئی نہیں۔ اس کے پاس رہنے کے لیے گھر ہے، مگر گھر جیسا احساس نہیں۔ اس کے پاس پیسہ ہے، مگر وقت نہیں۔

اور شاید سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ اس کے پاس زندگی ہے، مگر اسے جینے کی فرصت نہیں۔ اب ہمیں اپنی زندگی کی سمت پر دوبارہ غور کرنا ہوگا۔

ہمیں ایسی زندگی چاہیے جہاں ترقی ہو، مگر انسان ترقی کا ایندھن نہ بن جائے۔ جہاں پیسہ ہو، مگر پیسہ انسان کا مالک نہ بنے۔ جہاں گھر ہو، مگر گھر صرف قرض کی قسطوں کا نتیجہ نہ ہو۔ جہاں تعلیم ہو، مگر صرف نوکری کے لیے نہیں، زندگی کو سمجھنے کے لیے بھی ہو۔ جہاں کام ہو، مگر کام کے بعد زندگی بھی باقی رہے۔ جہاں رشتے ہوں، مگر صرف ذمہ داری کے طور پر نہیں، محبت کے طور پر بھی۔ ہمیں ایک ایسی زندگی کی ضرورت ہے جس میں انسان کے پاس ہنسنے کا وقت ہو۔ اپنوں کے ساتھ بیٹھنے کا وقت ہو۔ اپنی پسند کے کام کرنے کا وقت ہو۔ کچھ نہ کرنے کا بھی وقت ہو۔ اور کبھی کبھی صرف خاموش بیٹھ کر اپنے آپ کو سننے کا وقت بھی ہو۔ کیونکہ زندگی کا مقصد صرف یہ نہیں کہ ہم کتنی قسطیں ادا کرکے مرے۔ زندگی کا مقصد شاید یہ بھی ہے کہ ہم نے کتنے دل جیتے۔ کتنی محبت دی۔ کتنی خوشیاں بانٹیں۔ کتنے لوگوں کے لیے آسانی پیدا کی۔

اور خود بھی کتنی بار دل کھول کر ہنسے۔ ہمیں یہ سمجھنا ہوگا کہ قرض لے کر گھر خریدا جاسکتا ہے، مگر گھر کی خوشی قسطوں پر نہیں ملتی۔ پیسہ دے کر بستر خریدا جاسکتا ہے، مگر نیند نہیں۔

دولت سے دوا خریدی جاسکتی ہے، مگر صحت نہیں۔ موبائل سے رابطہ کیا جاسکتا ہے، مگر تعلق نہیں۔ اور سب سے بڑھ کر —وقت خریدا نہیں جاسکتا۔ جو وقت گزر گیا، وہ واپس نہیں آتا۔ اس لیے اس سے پہلے کہ زندگی کی آخری قسط باقی رہ جائے، ہمیں شاید اپنی زندگی کا حساب دوبارہ کرنا چاہیے۔

یہ دیکھنا چاہیے کہ ہم نے کیا حاصل کیا اور کیا کھو دیا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم نے گھر تو بنالیا، مگر گھر والے کھو دیے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم نے دولت تو جمع کرلی، مگر سکون گنوا دیا؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم کامیاب تو ہوگئے، مگر خوش رہنا بھول گئے؟ اور کہیں ایسا تو نہیں کہ دوسروں سے آگے نکلنے کی کوشش میں ہم خود سے ہی بہت پیچھے رہ گئے؟ مقابلہ ضرور کیجیے، مگر اپنی زندگی کو مقابلہ مت بنائیے۔ پیسہ ضرور کمائیے، مگر سکون کی قیمت پر نہیں۔ ترقی ضرور کیجیے، مگر اپنی انسانیت کی قیمت پر نہیں۔ آگے ضرور بڑھیے، مگر اپنے پیچھے رہ جانے والے رشتوں کو روند کر نہیں۔ اور سب سے بڑھ کر—

اپنی زندگی کا اختیار کسی اور کے ہاتھ میں مت دیجیے۔ کیونکہ جس دن انسان اپنی زندگی کے فیصلے خود کرنا چھوڑ دیتا ہے، اسی دن سے وہ آہستہ آہستہ کسی اور کے کھیل کا مہرہ بن جاتا ہے۔ اور ہمیں مہرہ نہیں بننا۔ ہمیں غلام نہیں بننا۔ ہمیں صرف قسطیں ادا کرتے ہوئے زندگی ختم نہیں کرنی۔ زندگی صرف ایک بار ملتی ہے۔

اسے صرف گزارنا نہیں، اسے جینا ہے۔ اسے صرف کامیاب نہیں، اسے بامعنی بنانا ہے۔ مقابلہ ہو، ضرور ہو۔۔۔ مگر زندگی خود ایک مقابلہ نہ بن جائے۔ کیونکہ آخر میں جیتنے والا وہ نہیں ہوگا جس کے پاس سب سے زیادہ مال ہوگا۔ اصل فاتح وہ ہوگا جس کے پاس زندگی کے اختتام پر یہ کہنے کے لیے کچھ باقی ہو کہ —میں نے زندگی صرف گزاری نہیں، میں نے اسے واقعی جیا ہے۔۔۔

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

دوستو مدحتِ سرکار کروں یا نہ کروں
فکرِ عاجز کو گہر بار کروں یا نہ کروں

خود کو پاکیزۂ افکار کروں یا نہ کروں
میں ثنائے شہِ ابرار کروں یا نہ کروں

میری اوقات ہی کیا میری زباں ہی کیا ہے
مدحتِ احمدِ مختار کروں یا نہ کروں

میں کہ ظلمت کا پلا نطق بھی آلودۂ عیب
ذکرِ سرچشمۂ انوار کروں یا نہ کروں

میرے یہ ہونٹ جو ناپاک رہے ہیں اب تک
ان سے سرکار کے اذکار کروں یا نہ کروں

ہاتھ میرے جو ابھی رزقِ خطا چھوتے ہیں
ان کا رخ جانبِ سرکار کروں یا نہ کروں

میری پلکیں ابھی طیبہ کی گلی بن نہ سکیں
آنکھ کو طالبِ دیدار کروں یا نہ کروں

غار میں غار نہیں لطفِ خدا کا تھا اثر
رازِ ثور اب سرِ اظہار کروں یا نہ کروں

ذکی طارق بارہ بنکوی
(ایڈیٹر ہفت روزہ "صدائے بسمل" بارہ بنکی)
سعادتگنج، بارہ بنکی، یوپی، انڈیا

غزل

زخم کھاتے رہے مسکراتے رہے
چوٹ لگتی رہی گنگناتے رہے

ظلم بے انتہا اس نے رکھا روا
صبر کرتے رہے غم بھلاتے رہے

میرے محسن تھے وہ میرے ہمدرد بھی
میری راہوں میں کانٹے بچھاتے رہے

لٹ گئیں عصمتیں اور محافظ سبھی
لوریاں دے کے ہم کو سلاتے رہے

مجھ کو ٹرخا دیا اور عدو کو مرے
اپنی محفل میں ہر دم بلاتے رہے

ملک سے عشق کی انتہا دیکھئے
اس کی آغوش میں ہم سماتے رہے

زلفیں برہم بھی تھیں آنکھیں پرنم بھی تھیں
پاس بیٹھے ہم ان کو مناتے رہے

زیست ہے مختصر اب ہے رختِ سفر
خواب آنکھوں میں پھر بھی سجاتے رہے

ندوی صاحب نے بدلہ لیا اس طرح
گالیاں کھا کے بھی مسکراتے رہے

عبدالسبحان ندوی
۳/۱۳ PEMANTLE STREET KOLKATA
16
Mobile: 9831452849

نیپال کا ترانہ

سارے جہاں سے پیارا نیپال ہے ہمارا
بن کر چمک رہا ہے آنکھوں میں سب کے تارا

یہ اونچے اونچے پربت یہ مسکراتے پودے
قدرت نے اس کو بخشا کتنا حسین نظارا

لوری سنا رہیں ہیں تالاب اور ندیاں
چشمے ہیں گنگناتے موجوں کا ہے کنارا

جنگل ہرے بھرے ہیں، شاداب کھیتیاں ہیں
سر سبز وادیوں کو پھولوں نے ہے نکھارا

اے دامن "ہمالہ"! تو ہے نشان عظمت
چھو کر ترے لبوں کو افلاک نے سنوارا

"ہیمال"، ہو "پہاڑی" یا ہو "ترائی" خطہ
"میچی" سے "مہا کالی" نیپال ہے ہمارا

شمس و قمر کا پرچم ہاتھوں میں ہے ہمارے
خاک وطن کا ذرہ ہے نور کا منارا

مذہب سے ہے عقیدت، تہذیب سے ہے الفت
انسانیت کا رشتہ مضبوط ہے ہمارا

کوئی ہماری جانب نظریں اٹھا کے دیکھے
جب تک ہے جان باقی ہرگز نہیں گوارا

انصر کی یہ دعا ہے یارب رہے سلامت!
اپنا وطن ہے پیارا، ہر دل کا ہے سہارا

طالب دعا: انصر نیپالی

غزل

انجم کٹیہار بہار

موت کو یاد کر موت کو یاد کر
غفلتیں چھوڑ دے رب سے ہر دم تُو ڈر
موت کو یاد کر موت کو یاد کر

اِس جوانی پہ اپنی نہ اتراؤ تم
دل کو دنیا سے اپنا نہ بہلاؤ تم
بچ نہ پائے گا دنیا میں کوئی بشر
موت کو یاد کر موت کو یاد کر

دو گھڑی کی ہے دنیا مسافر ہیں سب
کیا پتہ ہے تری موت آجائے کب
پھر نہ کام آئے گا کوئی جان جگر
موت کو یاد کر، موت کو یاد کر

عاصیو! آؤ میری صدا یہ سنو
پنج وقتہ نمازیں ہمیشہ پڑھو
رب تمہیں بخش دے گا دعائیں تو کر
موت کو یاد کر، موت کو یاد کر

سانس اک دن اچانک ٹھہر جائے گی
زندگی کی یہ محفل بکھر جائے گی
پھر نہ مل پائے گا توبہ کا یہ سفر
موت کو یاد کر، موت کو یاد کر

صرف شبّیر رب سے دُعا یہ تُو کر
خاتمہ ہو ہمارا بھی ایمان پر
حشر میں کوئی ہوگا نہ خوف و خطر
موت کو یاد کر، موت کو یاد کر

۳۱۸۵۶۷۲۵۰۹۹۱+

غزل

میں دنیا میں چین و اماں ڈھونڈتا ہوں
کہ ظلمت میں نورِ جہاں ڈھونڈتا ہوں

عجب ہوں میں یارو، میں ایسا عجب ہوں
ہواؤں پہ اُس کے نشاں ڈھونڈتا ہوں

میں اُجڑی ہوئی دل کی بستی میں ہر دم
مکیں ڈھونڈتا ہوں مکاں ڈھونڈتا ہوں

میں بازارِ الفت کی ہر اک گلی میں
وفاؤں سے مہکی دکاں ڈھونڈتا ہوں

ہوں مہماں پرندہ میں کچھ روز کا ہی
تری شاخ پر آشیاں ڈھونڈتا ہوں

اے یارو سماعت کی تسکین کو میں
ہر اک سمت شیریں بیاں ڈھونڈتا ہوں

مرے دل کو کوئی تو سمجھائے عالمؔ
جہاں تُو نہیں ہے وہاں ڈھونڈتا ہوں

آفتاب عالم شاہ نوری

پچھتاوا۔ ایک بلی کا

ماجد مجید۔ کشمیر یونیورسٹی

عبید زاکانی کی فارسی نظم "موش و گربہ" کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ نظم میں ایک چوہا بلی کے پنجوں سے خلاصی چاہتا ہے اور زار و قطار رو رو کر بلی کی منّت ساجت کرتا ہے۔ "(موش گفتا کہ من غلام تو ام ۔۔۔۔۔۔عفو کن از من ایں گناہانا ۔۔۔۔گربہ گفتا دروغ کم تر گوئے ۔۔نہ شنوم فریب و مکرانا) ۔۔بلی ایک بھی نہیں سنتی ہے اور چوہے کو ایک ہی لقمہ میں کھا کر مسجد کی طرف رخ کر کے ہاتھ منہ دھو کر مسح بھی کرتی ہے اور ذکر و اذکار میں خود ساختہ مولوی سے آگے بھی جاکر دعاء میں بارگاہ ایزدی میں اپنے گناہوں کی معافی اور اقبال جرم کر کے کہتی ہے "اے خدا آج تک خون ناحق کر کے آئی ہوں میری فریاد سن۔ آج سے میری توبہ چوہے کو نہ کھاؤں گی۔"

ایک چوہا کہیں سے بلی کی فریاد سن رہا تھا فوراً چوہوں کے پاس یہ خوشخبری لے کے آیا کہ بلی نے آئندہ چوہے کھانے سے توبہ کی۔ چوہوں کو یقین نہیں آیا لیکن بادل ناخواستہ بلی کے لیے بڑے بڑے سوغات لے آئے۔ بلی نے جب موٹے موٹے چوہوں کو اپنے سامنے دیکھا تو من ہی من میں چال چلی اور چند قطرے بہا کے بولی "رفیقو میں روزہ سے ہوں میرے گناہ غالب ہوگئے ہیں آو سامنے میرے غم میں شریک رہو تاکہ بارگاہ ایزدی بخشے"۔ چوہے ڈرتے سہمے بلی کے نزدیک آئے تو بلی ان پر جھپٹی اور پانچ پانچ بڑے موٹے موٹے چوہوں کو اپنا لقمہ بنا گئی باقی جو بچے فوراً بھاگے اور چوہوں کو ساری داستان سنائی کہ تمہارے سر خاک آلود ہو بڑے موٹے موٹے سردار چوہے بلی کے لقمہ بن گئے۔ اب سے پہلے وہ دن میں ایک کھا جاتی تھی لیکن اب پانچ پانچ جبکہ تائب اور مسلمان بن گئی۔

قصہ مختصر ہمارے ہم زلفوں میں دور دراز کا باشندہ موزوں وقت میں صحیح نشانے پر تیر چلانے کا ماہر خاندان کا چشم و چراغ، خاندان بھی اس قدر وسیع کہ خوشی غم کے دوران ہی آپس میں متعارف ہوجاتے ہیں۔ ہر فرد اپنی اہمیت اجاگر کر کے اپنا مقام بڑھا چڑھا کر ایک دوسرے کے سامنے پیش کرتے رہتے ہیں۔ ہمارے ہم زلف بھی اپنی اہمیت بڑھانے کا ماہر خاندان میں کبھی کسی قسم کی غلطی سے ان بن ہوگئی تو سمجھو ہم زلف کے لیے سونے پے سہاگہ ہے۔ وہ ہر مخالف فریق کا لاڈلا بڑی آسانی سے مخالف فریقوں کو اپنے شیشے میں اتارتے ہی زیادہ ہوا دے کر فتنہ کو اُفق تک چڑھا کر اپنی روزی روٹی کا بندوبست کر کے ایسی چال چلتا ہے کہ آپس کے رشتے خون کے پیاسے دکھتے نظر آتے ہیں۔ ہم زلف کبھی ایک فریق کے دکھ درد کا مداوا بن کے دوسرے فریق کے باتوں کا بتنگڑ مخالف فریق کو سناتا رہتا ہے تاکہ یہ سلسلہ مدتوں چلے اور اسکی روزی روٹی پر کوئی مشکل نہ آئے۔

آخر میں جب مخالف فریقوں کی آنکھ کھلتی ہے تو ہم زلف کوئی بہانہ بنا کے راہ فرار اختیار کر لیتا ہے تاکہ خاندان میں اُس کی آن بان اور ٹھاٹھ بھاٹھ برقرار رہ سکے۔

اب لوگ ہم زلف کی چال بازیوں سے پوری طرح آشنا ہو چکے ہے لیکن خاندانی رِشتہ کا لحاظ کیے ہوئے لب پہ کوئی شکوہ شکایت نہیں البتہ دیکھتے ہی۔ دو گز فاصلہ. خیر و عافیت۔ برقرار رکھے ہوئے ہیں۔

اتنے بڑے بڑے کارنامے انجام دے کر ہم زلف کے عصیانی لباس میلے پڑ چکے اور ان کو دھلوانے بڑے گھاٹ تشریف لے گئے۔ ممکن ہے کہ دُھل بھی جائیں اور دُھل کر پہن بھی لیں مگر کیا معلوم وہی پرانی روش اختیار کرے جیسے عبید زاکانی نے اپنی نظم میں کہا۔

"دست و رو را بشست و مسح کشید
ورد مے خواند ہم چوں ملانا
بار الہا کہ توبہ کردم من
ندرم موش (حق الناس) رابدندانا
ایں زماں پنج پنج مے گیرد
چوں شدہ تائب و مسلمانا"

ترجمہ - "ہاتھ منہ دھو کر مسح کیا ذکر و اذکار ایسے کرنے لگی جیسے خود ساختہ مولانا ہو
یاالٰہی میں توبہ کرتی ہوں کوئی چوہا نہیں کھاؤں گی لوگوں کا حق نہ کھاؤں
اب کی بار پانچ پانچ پکڑ لیتی ہے جبکہ تائب اور مسلمان ہوگئی ہے۔"

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810